154

مقدس آگ

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم
سیریز
محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
154
مقدس آگ
اشتیاق احمد

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ہے
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے ان تمام کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

فقط

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

ہمارے ملک میں الیکشن ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان الیکشنوں کو درست بہت کم لوگ مانتے ہیں، میں نے بھی آپ سے ووٹ مانگا تھا اور ایک تہیہ کیا تھا، اگر زیادہ ووٹ میرے حق میں نہ آئے تو قیمت ہرگز نہیں بڑھاؤں گا، چاہے کچھ ہو جائے۔ اور اگر زیادہ ووٹ ہاں میں ملے تو پھر بڑھا دوں گا۔

میں نے ووٹوں کی گنتی نہیں کی۔ گن کر کرتا بھی کیا، گننے کی ضرورت تو اس وقت تھی جب دونوں طرف کے ووٹ برابر برابر نظر آتے۔ لیکن میرے ساتھ معاملہ ہی اور تھا۔ نہیں والے ووٹوں کا لفافہ بہت پتلا اور ہاں والے ووٹوں کا لفافہ بہت موٹا تھا۔ اب آپ خود فرمائیں، ان حالات میں گن کر کیا کرتا۔ مجبوراً ۵۰ پیسے فی ناول قیمت بڑھانے کا اعلان کر رہا ہوں،

یہ اعلان ان قارئین کو ضرور ناگوار گزرے گا، جنھوں نے ووٹ نہیں دیا ہے، لیکن انھیں حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ میں نے خود بھی یہ فیصلہ نہ چاہتے ہوئے کیا ہے۔ آپ بھی نہ چاہتے ہوئے قبول کر لیں۔ کیوں۔ کیا خیال ہے۔ اور یہ بھی خیال کر لیں کہ اب بھی دوسروں کے مقابلے میں قیمت کم ہے۔ دوسرے ادارے ۵۰/- روپے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ جبکہ آپ کا یہ ادارہ ان بڑے اداروں کے آگے گھٹنوں کے بل چلتے بچے کی مانند ہے۔ امید ہے، آپ اس بچے کی درازیٔ عمر کی دعا کریں گے۔

مدیر

علم کا لوہا

فائر کی آواز کے ساتھ ہی ٹائر پھٹنے کا دھماکا ہوا۔ انسپکٹر جمشید نے پھرتی سے بریک لگائے اور کار چرچراتی آواز سے رُک گئی:

"چلو چھٹی ہوئی۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کس بات سے؟" فرزانہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

"منزلِ مقصود پر پہنچنے سے اور کس سے۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتیں۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"گویا تمھارے خیال میں ہم یہاں سے آگے نہیں جا سکیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"بالکل، اگر صرف ٹائر پھٹتا تو اور بات تھی، یہ جو ساتھ میں گولی کا دھماکا ہوا ہے نا، یہ ہمیں روک لے گا۔" فاروق نے پُر یقین انداز میں کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے انکل؟" محمود خان رحمان کی طرف

مُڑا۔

"فاروق کے خیال کے آگے کس کے خیال کی دال گل سک
ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیجیے۔ اب خیالات کی بھی دالیں ہونے لگیں۔" فرزا
کے لہجے میں حیرت تھی۔

عین اسی وقت بے شمار دوڑتے قدموں کی آواز سُنا
دی۔ انھوں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اونچی نیچی پہاڑیو
پر بہت سے آدمی رائفلیں لیے کھڑے نظر آئے۔

"کیا بات ہے دوستو؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر بلند آ
میں پوچھا۔

"تمھیں ہم لوگوں کے سردار کے پاس جانا ہوگا۔" ان
سے سب سے اونچی جگہ پر کھڑے ہونے والے نے کہا۔

"کس لیے؟" وہ بولے۔

"یہ وہی بتائیں گے۔"

"اور اگر ہم جانے سے انکار کر دیں۔" انسپکٹر جمشید
پُرسکون آواز میں بولے۔

"تب ہم زبردستی لے جائیں گے۔"

"کیا پہلے بھی یہی کام کرتے رہے ہو، میرا مطلب ہے
چور ڈاکو ہو۔"

"ارے نہیں۔ تم غلط سمجھے۔ چور ڈاکو ہوتے تو سردار کے
پاس لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہیں تم لوگوں کو
موت کے گھاٹ اُتار دیتے اور مال سردار کے سامنے حاضر
کر دیتے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ بات کچھ اور ہے۔"

"ہاں بالکل!"

"خیر ہم جانے کے لیے تیار ہیں۔ اپنی رائفلوں کے
رُخ نیچے کر لو۔"

"رائفلوں کے رُخ تم لوگوں کی طرف ہی رہیں گے۔"

"لیکن کیوں۔ ہماری کار کا ٹائر پھٹ چکا ہے۔ ہم اس کے
ذریعے تو فرار ہو نہیں سکیں گے۔"

"اس کے باوجود رائفلوں کے رُخ تم لوگوں کی طرف
رہیں گے۔"

"اچھا خیر۔ ہم اس وقت لڑائی کے موڈ میں نہیں ہیں،
ورنہ تم ہمیں لے جا تو نہیں سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے کار
سے باہر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں ابا جان۔ ہم اس وقت لڑائی کے
موڈ میں نہیں ہیں۔ لڑائی کا موڈ بنانے میں کیا دیر لگتی
ہے۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"چلو بھئی۔ رائفلیں سمیٹ لو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

چاروں چٹان کی اوٹ سے نکل آئے اور رائفلیں جمع کرنے لگے :

"کمال کر دیا جمشید تم نے۔" خان رحمان بولے۔

"میرے خیال میں تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ ہاں کمال کی بات آگے آئے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" خان رحمان چونکے۔

"بس دیکھتے جاؤ۔"

"دیکھنے کو یہاں رکھا ہی کیا ہے۔ پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب ایک ایک رائفل اٹھا کر ان کی طرف تان لو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

انھوں نے ایسا ہی کیا۔

"ہاں بھئی۔ اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"خان رحمان تم کار کا ٹائر تبدیل کر دو۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور کار کی طرف بڑھ گئے۔ پانچ منٹ بعد ٹائر تبدیل ہو گیا۔

"یوں ہی بات بنا رہے ہیں بھئی۔ ورنہ یہ رائفلوں سے مجبور ہو کر ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔" اسی رائفل والے نے کہا۔

"اوہو۔ اچھا۔ یہ بات ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے جل بھن کر کہا اور ساتھ ہی فضا میں اچھلے۔ ادھر اس کی رائفل نے گولی اگلی۔ لیکن گولی ان کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی۔ اور خود وہ عین اس کے سر پر آ رہے۔ دوسرے ہی لمحے رائفل ان کے ہاتھ میں تھی :

"خبردار۔ اگر تم میں سے کسی نے بھی حرکت کی تو میں اس کا سر پاش پاش کر دوں گا۔"

انھیں گویا سانپ سونگھ گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید غرائے۔

"رائفلیں نیچے پھینک دو۔ ورنہ میں گولی چلاتا ہوں۔"

اس وقت تک ان کی حیرت سے فائدہ اٹھا کر محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان کار سے نکل کر ایک چٹان کی اوٹ لے چکے تھے۔

ایک لمحے کے لیے ان لوگوں نے سوچا۔ اور پھر رائفلیں پھینک دیں۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" انھوں نے کہا۔

"پروگرام ہم اب ان لوگوں سے پوچھیں گے۔" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے اور بولے:

"ہاں بھئی — تم ہمیں اپنے سردار کے پاس کیوں لے جانا چاہتے تھے؟"

"سردار کا حکم تھا۔"

"کیا تم لوگ جانتے ہو کہ ہم کون ہیں؟" خان رحمان نے پوچھا۔

"نہیں!"

"تب پھر — کیا تم ہر کار والے کو یہاں روک لیتے ہو اور سردار کے سامنے پیش کرتے ہو؟"

"نہیں — یہ بات بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر جو بات ہے — وہ بتاؤ نا۔"

"سردار نے ہمیں اجازت نہیں دے رکھی۔" وہ بولا۔

"ہوں — تمہارا نام کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولے۔

"میں سماکا ہوں۔"

"تم ان کے انچارج ہو؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"مسٹر سماکا — اگر میں یہ کہوں کہ سردار ہم سے جو کچھ چاہتا ہے، اس کی تفصیل دہرا دو — ورنہ ہم تم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں گے تو پھر تمہارا کیا جواب ہو گا؟"

"اس پر بھی ہم نہیں بتائیں گے — ہم اپنے سردار کا حکم ماننے میں اپنا جواب نہیں رکھتے — جان دے سکتے ہیں — بات نہیں بتا سکتے۔"

"حالاں کہ بات ہمیں سردار کے پاس جا کر بھی معلوم ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے — بے شک سردار سے آپ لوگوں کو ساری بات معلوم ہو جائے گی، لیکن ہم سردار کے حکم کے بغیر نہیں بتا سکتے۔"

"خوب — ہم چاہیں تو آسانی سے یہاں سے جا سکتے ہیں، لیکن اب ایسا کرنے کو جی نہیں چاہتا۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اب ہم تمہارے سردار سے ملاقات کر کے ہی جائیں گے۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"کیا اس حالت میں دیکھ کر سردار تمہیں کچھ نہیں کہے

گا۔"

"بہت ناراض ہو گا، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"خیر۔ ہم چاہتے ہیں۔ وہ تم پر ناراض نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" سماکا نے حیران ہو کر کہا۔

"ان کی رائفلیں انھیں دے دو بھئی۔ ہم ان کے آگے ہاتھ اٹھا کر چلیں گے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" سماکا بھونچکا رہ گیا۔

"ہماری طرف سے بھی یہی جملہ سمجھ لیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اچھا۔" انھوں نے کہا، پھر سماکا کی طرف مڑے:

"ہم نہیں چاہتے۔ ہماری وجہ سے تم لوگوں کو سخت سست کہا جائے۔" یہ کہ کر انھوں نے اپنے والی رائفل سماکا کو دے دی۔ ان کے چاروں ساتھیوں نے بھی رائفلیں گرا دیں۔ اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے:

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ آپ۔ آپ لوگ ہاتھ اوپر نہ اٹھائیں۔" سماکا نے گھبرا کر کہا۔

"ہاتھ نہ اٹھائیں، لیکن سردار کو آپ کیا جواب دیں گے، ہمیں ہاتھ اٹھائے بغیر آتے دیکھ کر کیا وہ تم سے سوال

نہیں کرے گا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ فی الحال ہاتھ نیچے رہنے دیں۔ جب ہم بستی کے نزدیک پہنچ جائیں گے، اس وقت آپ لوگ ہاتھ اٹھا دیجیے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

سماکا اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر ایک عجیب عالم تھا۔ وہ ان کے آگے چلنے لگے۔

"آج معلوم ہوا۔ آ بیل مجھے مار کا کیا مطلب ہے۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"چلو شکر کرو۔ معلوم تو ہو گیا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اگر ان لوگوں نے وہاں ہماری قربانی دینے کا پروگرام بنا رکھا ہو تو؟" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا یہ لوگ تمھیں ہندو نظر آ رہے ہیں؟"

"نن۔ نہیں خیر۔ یہ ہندو تو ہرگز نہیں ہیں۔"

"ہم ان لوگوں کو رائفلوں کی زد پر لے کر بھی آگے بڑھ سکتے تھے۔" فاروق بولا۔

"اس صورت میں مزا نہ آتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے! تو آپ کو مزا بھی آ رہا ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

وُہ پندرہ منٹ تک چلتے رہے ۔ آخر پتھروں کے بنے مکانات کے نزدیک پہنچ گئے ۔ نہ جانے بستی کے لوگوں کو کس طرح ان کی آمد کا علم ہو گیا ۔ وُہ دھڑا دھڑ گھروں سے نکلنے لگے ، لیکن ان کی طرف آنے کی کسی نے کوشش نہیں کی ، ہر کوئی اپنے دروازے پر ہی کھڑا انھیں گھورنے لگا ۔ آخر بستی میں سب سے اونچے مکان کے سامنے وُہ رک گئے ۔

"سردار ! ہم آگئے ۔" سماکا نے بلند آواز میں کہا ۔

"شکار بھی ساتھ لائے ہو یا نہیں ؟"

"ہاں سردار ۔ شکار ساتھ ہے ۔"

"اچھا ! مَیں آ رہا ہُوں ۔"

ایک منٹ بعد پتھر کا دروازہ کھلا اور ایک بہت بھاری بھر کم ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلتا نظر آیا ۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں ۔ اس نے پہلے تو انھیں ایک نظر دیکھا ، پھر ہاتھ اُٹھا کر کوئی اِشارہ کیا ۔

فوراً ہی کوئی چیز ان پر آ کر گری ۔ انھوں نے نیچے گر کر خود کو بچانے کی کوشش کی ، لیکن دُوسرا لمحہ حیران کن تھا ۔ ان پر گرنے والی چیز ایک بہت بڑا جال تھا ۔ لہٰذا گر کر بھی وُہ جال کے نیچے ہی رہے ۔ اور پھر جال ان کے گرد کسنے لگا ۔ اس کی ڈوریاں کھینچی

جانے لگیں ۔

"لیجیے ۔ اب چکھیے مزا ۔ اس نے تو نہ کوئی بات کی ، نہ کچھ بتایا ۔ بس جال پھنکوا دیا ہم پر جیسے ہم مچھلیاں ہوں ۔"

"صبر کرو ۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۔" فرزانہ بولی ۔

"مسٹر سماکا ۔ یہ تم نے اچھا سلوک کیا ہمارے ساتھ ۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا ۔

"یہ میں نہیں ۔ سردار کر رہا ہے ۔ ہم میں اتنی جرأت کہاں کہ کوئی بات کہیں ۔"

"آخر پروگرام کیا ہے ؟"

"اس جال سمیت آپ لوگوں کو سمندر میں لٹکا دیا جائے گا ۔"

"ہمارا قصور ؟" فارُوق نے منہ بنایا ۔

"آپ کا کوئی قصور نہیں ۔ لیکن ہم مجبور ہیں ۔ ہمیں قاتل پکڑنا ہے ۔"

"کیا کہا ۔ قاتل پکڑنا ہے ؟" محمود بلند آواز میں بولا ۔

"ہاں ! قاتل پکڑنا ہے ۔" سردار بولا ۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے ۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا ۔

"ہمارے لیے ۔ آپ کے لیے نہیں ۔" سردار مُسکرایا ۔

"یہ کیا بات ہوئی جناب!"

"قاتل پکڑنے کے لیے ہم آپ کو سمندر میں گرا دیں گے۔"

"یہ قاتل پکڑنے کا ہم نے بالکل نیا طریقہ سُنا ہے۔ جو شاید دُنیا میں کہیں بھی استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔" فرزانہ نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ ہماری بستی کے دانش ور کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم لوگ مطلب جان کر کیا کرو گے۔"

"اگر مرنے سے پہلے جان ہی لیں تو آپ لوگوں کا کیا نقصان ہے۔"

"نقصان تو خیر ہمیں کیا ہو گا۔ خیر۔ سماکے۔ ان لوگوں کو بتاؤ۔"

"بہت بہتر سردار۔" اس نے کہا اور پھر منہ ان کی طرف کیا اور بولا:

"سردار کے بیٹے کو کسی نے آج سے پانچ سال پہلے قتل کر دیا تھا۔ ہم نے اس کے قاتل کو پکڑنے اور یہ جاننے کی بہت کوشش کی کہ قاتل ہے کون، لیکن۔ نہ قاتل کو پکڑ سکے اور نہ جان ہی سکے کہ وُہ کون ہے۔"

"لیکن آپ لوگوں نے ہمیں کیوں پکڑ لیا۔ کیا آپ کے خیال میں ہم قاتل ہیں۔"

"نہیں۔ ہمارے ہاں ایک بہت بڑا عالم ہے۔ وُہ ستاروں کا علم جانتا ہے۔ اس نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ سردار کے بیٹے کے قاتل کو ایک دن کار میں آنے والے کچھ لوگوں کی قربانی دے کر پکڑا جا سکے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" فاروق نے بلند آواز میں کہا۔

"کیوں۔ بات کیوں نہیں ہوئی۔" سردار نے اسے گھورا۔

"سماکا نے کہا ہے کہ ایک دن کار میں آنے والے کچھ لوگ۔ اس سڑک سے تو کاریں گزرتی ہی رہتی ہیں۔ ان میں لوگ بھی ہوتے ہیں۔ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وُہ لوگ ہم ہی ہیں۔"

"آپ نے دراصل پوری بات نہیں سُنی۔" سماکا نے منہ بنایا۔

"خیر۔ تم پوری بات بتا دو۔ ہم سُن رہے ہیں۔ اس جال کے اندر بھی اگر ہم نے پوری بات نہ سُنی تو پھر سُن چکے کسی اور جگہ پوری بات۔"

"ہمارے عالم نے چاند کے مہینے کی آج کی تاریخ بتائی تھی اور یہ کہ دن کے بارہ بجے سے گزرنے والی کاروں کی گنتی شروع کی جائے گی اور اس طرح گزرنے والی

نویں کار میں وہ لوگ موجود ہوں گے۔"

"تت۔ تو نویں کار ہماری تھی؟" محمود بولا۔

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔

"اور آپ کے عالم کا کہنا ہے کہ ہماری قربانی کے بعد قاتل پکڑا جائے گا۔"

"بالکل!"

"تب ہم آپ کے عالم کے علم کا لوہا مان گئے۔" فاروق نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"علم کا لوہا؟" سردار کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! علم کا بھی لوہا ہوتا ہے۔ ویسے لوہا تو کسی چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہماری سمجھ میں بات نہیں آئی۔"

"اس عالم کی یہ بات تو درست ہے کہ آج کی تاریخ میں یہاں سے گزرنے والی بارہ بجے کے بعد نویں کار کے لوگ قاتل کی گرفتاری کا سبب بن جائیں گے، لیکن آپ لوگوں کا طریقہ کار غلط ہے۔ کیا آپ کے عالم نے ہمیں سمندر میں ڈبو دینے کے لیے کہا تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں۔ انھوں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ ان کی قربانی

سے قاتل سامنے آ جائے گا۔"

"یہی ہم کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہماری قربانی سے قاتل پکڑا جائے گا، لیکن آپ لوگوں کا طریقۂ کار بالکل غلط ہے، یہ قربانی اس طرح نہیں دی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟" سردار چونکا۔

"پہلے اس عالم کو ہمارے سامنے لایا جائے۔"

"اچھی بات ہے۔" سردار نے کہا اور چاروں طرف دیکھا:

"ڈومی رو یہاں نظر نہیں آ رہا۔ سماکا۔ انھیں یہاں لے آؤ۔ وہ اپنی عبادت میں مصروف ہوں گے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"آپ لوگوں کا مذہب کیا ہے؟"

"ہم آگ کے پجاری ہیں۔"

"آگ کے۔ آپ آگ کو خدا مانتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں! آگ ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔"

"یہ۔ بالکل غلط ہے۔ آگ سے بڑی طاقت تو پانی میں ہے، جو اسے بجھا دیتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں۔ آگ پانی کو بھاپ بنا کر اڑا دیتی ہے۔ ہر جاندار کو جلا دیتی ہے۔ آگ سب سے بڑی طاقت ہے۔"

"ہمارا قرآن کہتا ہے ۔ آگ نے اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تھا ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی تھی ۔ لہٰذا عبادت کے لیے وہ ذات ہے جس کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔"

"یہ مذہبی باتیں ہیں ۔ ہمارے عالم سے تم سوالات کر سکتے ہو ۔ وہ تمہیں لاجواب کر دیں گے۔" سردار نے کہا۔

"بالکل غلط ۔ وہ خود لاجواب ہو کر رہ جائیں گے۔"

"تب یہ مقابلہ قربانی سے پہلے ہو گا۔" سردار نے گویا اعلان کیا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے

"خوش ہونے کی ضرورت نہیں ۔ عالم کی ہدایت کے مطابق تم لوگوں کو قربان ضرور کیا جائے گا۔"

"مانتے تم لوگ آگ کو ہو ۔ اور ہمیں پانی کے حوالے کر رہے ہو۔"

"اگر تم آگ میں جل کر مرنا پسند کرتے ہو تو ہم عالم کی اجازت ملنے کے بعد تمہیں آگ میں بھی پھینک سکتے ہیں۔"

"ضرور ۔ ہم ثابت کر دیں گے کہ آگ کوئی طاقت نہیں اللہ ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔"

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری ۔ اور سماکا کے ساتھ

ایک لمبے قد کا آدمی آتا نظر آیا ۔ اس نے ایک بہت لمبا کرتا پہن رکھا تھا ۔ چہرے پر سفید رنگ سے لکیریں کھینچی ہوئی تھیں ۔

"سردار نے ہمیں یاد کیا۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈومی رو ۔ آپ کی ہدایت کے مطابق نویں کار کے لوگ اس وقت جال میں موجود ہیں ۔ ہم انہیں سمندر میں پھینکنے والے ہیں ، لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم اس طرح قاتل کو نہیں پکڑ سکیں گے ۔ قربانی کا طریقہ اور ہو گا۔"

"قربانی کا طریقہ اور ہو گا ۔ کیا مطلب؟" ڈومی رو چونکا۔

"میں بتاتا ہوں ۔ میں ایک سراغ رساں ہوں ۔ میں قتل کی تفتیش کر کے قاتل کو پکڑ سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن میرا علم یہ کہتا ہے کہ تم لوگوں کی قربانی سے قاتل پکڑا جائے گا۔" ڈومی رو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ۔

"تو ہم کب کہتے ہیں کہ ایسا ہماری قربانی سے نہیں ہو گا ۔ بالکل ایسا ہی ہو گا ، لیکن قربانی کا طریقہ دوسرا ہو گا ، ہم اپنے وقت کی قربانی دیں گے اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعے قاتل کو پکڑیں گے ۔ آپ ہمیں مہلت دیں۔"

"کیوں ڈومی رو ۔ کیا خیال ہے؟"

"یہ لوگ فرار ہونے کے لیے چال چل رہے ہیں۔ میرا علم یہی کہتا ہے۔ کہ ان کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔" ڈومی رو نے بلند آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مسٹر ڈومی رو کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔" سردار نے حکم دیا۔

جال کی رسیاں تن گئیں۔ پھر جال اوپر اُٹھنے لگا۔ اس کی درمیانی رسی کسی اونچی چٹان پر تھی۔

"افسوس! تم لوگوں نے میری پیش کش کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب انجام کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"انجام۔ کیا مطلب؟" کئی آوازیں اُبھریں۔

"اگر تم نے ہمیں سمندر میں ڈبو دیا تو یاد رکھو۔ کبھی بھی قاتل کو نہیں پکڑ سکو گے۔ اور کافر ہی مرو گے۔ آگ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔"

"اوہو۔ ہمارے معبود پر بھی اعتراض۔ اب تو ان لوگوں کو بہت تکلیف دہ موت مارنا چاہیے۔ انہیں چٹان کے ساتھ لٹکا رہنے دو۔ صبح جب ہم سب آگ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کو اس وقت الاؤ میں پھینکا جائے گا۔"

"لیجیے۔ سزا تبدیل ہو گئی۔ ہم نے پہلے ہی کہ دیا

تھا کہ تم لوگ ہمیں موت کے گھاٹ نہیں اُتار سکو گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"پتا چل جائے گا۔" سردار نے بھنا کر کہا اور اپنے آدمیوں کو اِشارہ کر دیا۔

جال اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ بہت اونچائی پر لٹکے نظر آئے۔

نیچے کھڑے سب لوگوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اپنے گھروں کا رُخ کیا۔

"ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ کہ اِدھر چلے آئے۔ سماکا اور اس کے ساتھیوں پر ہم نے قابو پا لیا تھا۔ آسانی سے نکل سکتے تھے۔" محمود بڑبڑایا۔

"نہیں۔ ہم سے غلطی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ ہم اوپر آئیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن اب یہ لوگ صبح ہمیں آگ میں جھونک دیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"تو پھر۔ ڈرنے کی کیا بات ہے۔ موت ایک دن آ کر رہے گی۔"

"لل۔ لیکن جمشید۔ آگ میں۔" خان رحمان ہکلائے۔

"اوہ خان رحمان۔ شاید تم بھی آگ سے ڈرتے ہو۔"

"آگ سے کون نہیں ڈرتا جمشید۔"

"ہوں۔ شاید اسی لیے یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں، لیکن خان رحمان۔ سن لو۔ میں آگ واگ سے نہیں ڈرتا۔ صرف اور صرف اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ ہم سے بھول ہوئی۔" خان رحمان نے کہا۔

"یا اللہ۔ ہمیں معاف فرما۔" فرزانہ نے بلند آواز میں کہا۔

"آمین!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"آج ہمیں اس جال میں سونا ہو گا اور وہ بھی فضا میں لٹکتے ہوئے۔ شاید یہ ہماری زندگی کا پہلا تجربہ ہو گا۔" محمود بولا۔

"چلو اچھا ہے۔ اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا۔"

رات کے ٹھیک دو بجے۔ جب کہ جال میں گڈمڈ حالت میں بھی انھیں نیند نے آ لیا تھا۔ جال نیچے سرکنے لگا، ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انھوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا۔ ابھی تو رات کے دو بجے ہیں۔"

"شاید انھوں نے ہمیں جلدی جلانے کا پروگرام بنا لیا۔"

"لیکن۔ نیچے تو کوئی بھی نہیں کھڑا۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ۔ تو پھر۔ کیا جال خود بخود نیچے اتر رہا ہے۔" محمود گھبرا گیا۔

"یہ جال ہے۔ پیرا شوٹ نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بالکل ٹھیک۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

آخر جال پتھریلی زمین پر ٹک گیا، پھر انھوں نے قدموں کی ہلکی آواز سنی۔ اور کچھ سائے اپنی طرف آتے دیکھے۔

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا سمجھ گئے؟"

"یہ کر سماکا اور اس کے ساتھی ہمیں جال سے نکالنے آئے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید کا خیال ٹھیک نکلا۔ سماکا اور اس کے وہی ساتھی جو انھیں کار سے یہاں تک لائے تھے۔ جال تک پہنچ گئے۔ اور جال کاٹ ڈالا۔

"آپ لوگ بھاگ جائیں۔" سماکا نے سرگوشی کی۔

"اوہ۔ مسٹر سماکا۔ اس طرح تو آپ لوگ خود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔"

"جی نہیں۔ ہم خود کو خطرے میں نہیں ڈال رہے۔"

بھلا ہم پر کون شک کرے گا اور کیوں ؟"

"ہوں۔ خیر۔ آپ لوگوں کا شکریہ!"

"شکریے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے بھی تو ہماری جان بخشی کی تھی۔" سماکا مسکرایا۔

اُنھوں نے آپس میں ہاتھ ملائے اور وہاں سے رُخصت ہوئے۔

صرف آپ

دن نکلتے ہی سردار کے گھر کا دروازہ کھلا۔ ساتھ ہی باقی گھروں سے بھی لوگ باہر نکل آئے۔ ان سب نے سردار کے پیچھے ایک سمت میں قدم اُٹھا دیے۔ یہ سارا مجمع آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ کے پاس آکر رُکا۔ اور پھر وہ لوگ آگ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ یہ سجدہ بہت لمبا تھا۔ سجدے ہی میں پڑے وہ آگ سے دُعائیں مانگتے رہے۔ پھر انھوں نے سر اُٹھائے اور سردار نے بلند آواز میں کہا:

"سماکا۔ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاؤ اور مجرموں کو یہاں لے آؤ۔"

"بہت بہتر سردار۔" سماکا کی آواز اُبھری۔

اور وہ چلے گئے۔ جلد ہی وہ اور اس کے ساتھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں:

"کیا بات ہے سماکا۔ خیر تو ہے؟"

"وہ۔ وہ لوگ تو فرار ہو چکے سردار۔ جال کٹا پڑا ہے۔"

"کیا کہا۔ جال کٹا پڑا ہے، لیکن وہ جال کو کس طرح کاٹ سکتے تھے اور کاٹ بھی لیتے تو اتنی اونچائی سے چھلانگ کس طرح لگا سکتے تھے؟"

"میں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں سردار۔" سماکا نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ کہ تم کیا کہہ سکتے ہو خیر۔ ڈومی رو۔ آپ جو یہاں موجود ہیں۔ آپ کا علم کیا کہتا ہے؟"

"مجھے تین منٹ کی مہلت دیجیے سردار۔"

"اجازت ہے۔" سردار بولا۔

اور ڈومی رو نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب سب لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے کھڑا تھا، منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔ آخر تین منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے سب لوگوں پر نظریں دوڑائیں اور پھر اس کی آنکھیں سماکا پر جم گئیں:

"سماکا نے ان لوگوں کو فرار میں مدد دی ہے سردار۔"

"نہیں!" سماکا پوری قوت سے چلایا۔

"میرا علم مجھے غلط نہیں بتاتا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ یہ کام سماکا اور اس کے ساتھیوں کا ہے۔" ڈومی رو نے کہا۔

"کیوں سماکا۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ جھوٹ بول کر تم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔"

"ہاں۔ سردار۔ یہ ٹھیک ہے۔"

"کیا کہا۔ ٹھیک ہے۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ میں تو خود یہ سمجھ رہا تھا کہ ڈومی رو سے حساب لگانے میں غلطی ہوئی ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا سماکا؟"

"میں کیا کرتا سردار۔ ان لوگوں نے ہم پر احسان کیا تھا۔ لہٰذا ہم بھی ان پر احسان کرنے پر مجبور تھے۔"

"احسان کیا تھا۔ اور انھوں نے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

اور سماکا نے ساری بات بتا دی۔ سننے والوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ آخر سردار کی آواز ابھری:

"ہوں۔ تو یہ کام واقعی تمھارا ہے سماکا۔ خیر۔ اب ان لوگوں کی جگہ تم لوگ آگ میں ڈالے جاؤ گے۔ سب لوگ انھیں گھیرے میں لے لیں اور آگ کی طرف لے چلیں۔"

"نن۔ نہیں۔ سردار نہیں۔ رحم کریں۔ ہم نے صرف احسان کا بدلہ اتارا ہے۔ اور یہ آپ کا بھی اصول ہے۔" سماکا نے

چیخ کر کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے طریقہ غلط اختیار کیا، تم یہ بات ہمیں بتا دیتے۔ ہم ان لوگوں کو چھوڑنے پر غور کر سکتے تھے۔"

"آپ کس طرح غور کر سکتے تھے۔ جب کہ مسٹر ڈومی رو ان کی قربانی تجویز کر چکے تھے۔"

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن بہر حال۔ اب ان لوگوں کی جگہ تم لوگوں کو قربان کیا جائے گا۔ شاید اس طرح میرے بیٹے کا قاتل مل جائے۔"

"نن۔ نہیں۔" سماکا اور اس کے ساتھی چلّانے لگے۔

مجمع انھیں گھیر کر آگ کی طرف دھکیلنے لگا۔ اب ہر طرف سے چیخ و پکار ہونے لگی۔ کچھ بتوں کی طرح ایک طرف بھی کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شاید یہ لوگ ان کے رشتے دار تھے۔ جنھیں آگ میں پھینکا جانے والا تھا،

ایسے میں ایک بلند آواز گونجی:

"ٹھہرو!"

مجمعے پر سکتہ طاری ہو گیا۔ سب نے مُڑ کر آواز کی طرف دیکھا اور پھر ان سبھی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ان کے سامنے کھڑے مُسکرا

رہے تھے۔

★

"اصل مجرم حاضر ہیں۔ سماکا اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا جائے۔"

"یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟" سردار نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ خواب نہیں دیکھ رہے۔ یہ بے چاری آگ ہمیں کیا جلا سکتی ہے۔ زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ہمیں آگ میں پھینک کر دیکھ لیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہمیں قتل کی تفتیش کرنے کی مہلت دے دیں، اگر ہم قاتل کو نہ پکڑ سکے تو پھر آپ کا جو جی چاہے، کیجیے گا۔ ہم آپ کو نہیں روکیں گے۔" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں کہتے چلے گئے۔

سردار سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے ڈومی رو کی طرف دیکھ کر کہا:

"آپ کیا کہتے ہیں ڈومی رو؟"

"میرا علم کہتا ہے۔ یہ لوگ قاتل کا سُراغ لگا لیں گے۔ لہٰذا ان کو مہلت دے دی جائے، لیکن انھیں مکمل ثبوت

پیش کرنا پڑے گا — یہ نہیں کہ جان بچانے کے لیے کسی
آدمی پر انگلی رکھ دیں کہ بس یہ قاتل ہے۔"

"ہاں واقعی — یہ تو ٹھیک ہے۔" سردار بولا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں — ایسا ہی ہوگا۔"

"تو پھر آؤ چلیں — بیٹھ کر بات کرتے ہیں — ڈومی رو اور
سماکا — آپ بھی ہمارے ساتھ آئیں۔"

سب وہاں سے واپس ہوئے — باقی لوگوں نے اپنے
گھروں کا رُخ کیا اور سردار انہیں اپنے گھر میں لے آیا۔ گھر
مکمل طور پر پتھروں سے تیار کیے گئے تھے — کرسیاں بھی پتھر
کی تھیں، ان پر بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے :

"ہاں! اب سنائیے — کیا معاملہ ہے — قتل کیسے ہوا —
کب کی بات ہے — اور اب تک قاتل کو پکڑنے کے لیے کیا
کوشش کی گئی۔"

"میں بتاتا ہوں۔" سردار نے کہا، سب پر ایک نظر ڈالی اور
پھر کہنے لگا :

"یہ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے — میرا بیٹا لوکا
صبح کی سیر کے لیے گھر سے نکلا — وہ بہت سویرے سیر
کے لیے جنگل جایا کرتا تھا — اور دو گھنٹے بعد لوٹ آیا کرتا
تھا — اس روز جب وہ واپس نہ آیا تو میں نے سماکا کو بھیجا

آپ یوں سمجھ لیں کہ سماکا ہماری بستی کا پولیس آفیسر ہے —
ہاں تو سماکا گیا اور واپس آیا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں
اڑ رہی تھیں — اس نے بہت ہولناک خبر سنائی — یہ کہ لوکا
مُردہ حالت میں ایک جگہ پڑا ہے — ہم لوگ وہاں گئے —
لوکا کی ماں بھی میرے ساتھ تھی — نوجوان بیٹے کی لاش
دیکھتے ہی وہ چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی — کافی دیر
بعد ہوش میں آئی — لوکا کے سر کے پچھلے حصے پر ایک
بھاری پتھر مارا گیا تھا — اور پتھر کو کئی بار مارا گیا تھا —
تاکہ لوکا کے بچنے کا کوئی امکان نہ رہے — اس کا سر پاش
پاش ہو گیا تھا — خون آلود پتھر بھی وہیں پڑا ملا — اس
کے علاوہ بھی سماکا نے چند چیزیں وہاں سے اٹھائی تھیں —
وہ سب آج تک محفوظ ہیں، لیکن افسوس سماکا قاتل کو
نہ پکڑ سکا — ادھر میں نے قسم کھائی تھی کہ قاتل کو پکڑ کے
رہوں گا، لیکن اس طرح پانچ سال گزر گئے — آخر اس
مرتبہ میں نے ڈومی رو سے حساب لگانے کے لیے کہا —
ڈومی رو نے یہ حساب لگایا کہ کل صبح بارہ بجے سے گزرنے
والی کاروں کی گنتی شروع کی جائے — نویں کار سے گزرنے
والے لوگوں کی اگر قربانی دے دی جائے تو قاتل ظاہر ہو
جائے گا — سو ہم نے کل آپ لوگوں کو پکڑ لیا — یہ ہے کل

کہانی:" یہاں تک کہہ کر سردار خاموش ہو گیا۔

"یہاں تک بات سمجھ میں آ گئی، لیکن ایک سوال بہت
دیر سے میرے ذہن میں گونج رہا ہے۔ پہلے آپ اس کا
جواب دے دیں، پھر ہم آگے بڑھیں۔"

"ہاں! پوچھیے۔"

"مسٹر ڈومی رو نے اس بات کا پتا تو اپنے علم کے ذریعے
لگا لیا کہ ہمیں جال سے کس نے نکالا، انھوں نے اس بات
کا بھی پتا لگا لیا کہ فلاں دن بارہ بجے کے بعد نویں کار سے
آنے والے لوگوں کی اگر قربانی دی جائے تو قاتل کا پتا چل
سکتا ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ خود یہ قاتل کا پتا کیوں
نہیں لگا سکے؟"

ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی، پھر سردار نے کہا:

"ہاں! یہ بات میں نے ڈومی رو سے پوچھی تھی کہ یہ
کیوں قاتل کا سراغ نہیں لگا پائے۔ جواب ان کی زبانی
سن لیں، کیوں کہ ان کا جواب میری سمجھ میں اچھی طرح
نہیں آیا تھا۔"

"میں عرض کرتا ہوں۔ میں ایسی باتیں ستاروں کے علم
کے ذریعے بتاتا ہوں۔ ستاروں کا علم بہت وسیع ہے۔
اس پر کوئی آدمی حاوی نہیں ہو سکتا۔ میرا جہاں تک علم

ہے۔ میں اس کی حد تک ہی اس علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں،
میں نے تو بہت کوشش کی۔ کہ اس کا سراغ اپنے علم کے ذریعے
لگا لوں، لیکن ایسا کر نہیں سکا۔ میں نے یہاں رہنے والے
سب آدمیوں کے نام لے کر ان کے ستاروں کو جانچا، لیکن
کامیابی نہ ہو سکی۔ اس پر میں نے اندازہ لگایا کہ قاتل بستی کا
آدمی نہیں تھا۔ باہر سے آیا تھا۔"

"باہر سے آیا تھا؟"

"ہاں! بستی کا آدمی ہوتا تو میں ضرور اس کا نام جان
چکا تھا۔"

"ہوں! خیر۔ سردار صاحب۔ آپ وہ چیزیں ہمیں دکھا دیں،
جو لاش کے پاس سے ملی تھیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں نے وہ سب ایک صندوق میں رکھی
ہوئی ہیں۔ سماکے۔ صندوق تمھارے قبضے میں ہے نا؟"

"ہاں سردار۔"

"تو پھر جا کر اٹھا لاؤ۔"

"بہت بہتر!" اس نے کہا اور چلا گیا۔ جلد ہی پتھر کا بنا
ایک بھاری صندوق اٹھائے وہ اندر داخل ہوا اور صندوق فرش
پر رکھ کر اس کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

"چیزیں نکال کر باہر رکھ دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

سماکا نے تمام چیزیں نکال کر باہر رکھ دیں۔ جس پتھ
سے قتل کیا گیا، وہ بڑا اور وزنی تھا۔ خون کے دھبّے اِ
پر اب تک لگے تھے، اگرچہ سیاہ ہو چکے تھے۔ یہ ایک نوک
پتھر تھا اور سر پر نوک کی طرف سے ہی مارا گیا تھا۔ پتھ
کے علاوہ ان چیزوں میں ایک خون آلود جوتا بھی موجود تھا۔

"اور یہ جوتا۔ کیا یہ نوکا کا ہے؟"

"نہیں۔ نوکا کے جوتے اس کے پاؤں میں ہی ملے تھے۔"

"اوہ۔ پھر تو۔ قاتل کا ہی ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"جی نہیں۔ کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو
سکتا کہ واردات سے پہلے ہی یہ جوتا وہاں پڑا ہو۔" سردار
نے کہا۔

"ہاں! ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا آپ نے بستی کے لوگوں
سے نہیں پوچھا۔ ان کے جوتے چیک نہیں کیے۔"

"سب کچھ کیا تھا۔ اس جوتے کو پہنا کر بھی دیکھا تھا،
لیکن وہ کسی کے بھی پاؤں میں فٹ نہیں آیا تھا۔" سماکا بولا۔

"اوہو۔ اچھا۔ کمال ہے۔ پھر تو شاید قاتل باہر کا ہی
آدمی تھا، لیکن اُلجھن تو یہ ہے کہ وہ ایک جوتا یہاں کیوں
چھوڑ گیا۔ اور ایک جوتے سے کیسے گیا۔"

"جوتا خون میں بھر گیا تھا۔ اس لیے وہ اسے ساتھ نہیں

لے گیا۔ ورنہ نشانات کے ذریعے اس کا کسی قدر سراغ تو
لگایا جا سکتا تھا۔" سماکا بولا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ اچھا۔ اب ہم تیسری چیز کی طرف
توجہ دیتے ہیں۔ یہ ایک انگوٹھی ہے اور غالباً ہیرے کی ہے،
کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اور یہ بھی بتا دوں۔ یہ انگوٹھی
نوکا کی ہے۔"

"اوہ۔ اچھا۔ تو کیا یہ اس کی اُنگلی سے نکال کر ان چیزوں
میں شامل کی گئی ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ اگر انگوٹھی اُنگلی میں ملتی۔ تب اس کی کچھ بھی
اہمیت نہ ہوتی۔ مزے کی بات تو یہی ہے کہ انگوٹھی لاش
کے قریب پڑی تھی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ مقتول کی اُنگلی
سے کس طرح نکلی۔ اگر قاتل نے نکالی تھی تو وہ اسے ساتھ
کیوں نہ لے گیا۔ آخر یہ ہیرے کی انگوٹھی ہے۔"

"اس طرح تو وہ ہر چیز چھوڑ گیا تھا۔ نوکا کی جیب میں
نقد رقم بھی تھی۔ وہ بھی جوں کی توں جیب میں رہی۔ اس
کے گلے میں سونے کا ایک ہار تھا۔ اس ہار کو بھی قاتل
نے ہاتھ نہ لگایا۔ نہ جانے کیوں۔ آخر قاتل کیا چاہتا تھا۔"
سردار بڑبڑایا۔

"خیر۔ ہم دیکھتے ہیں۔ آگے چلیے۔ اب کس چیز کی باری ہے۔"

سماکا نے سگریٹ کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا اور بولا:

"سگریٹ کا یہ ٹکڑا بجھی ہوئی حالت میں پاس ہی پڑا ملا تھا۔ مسٹر ٹوکا سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ ہمارے ہاں کوئی بھی سگریٹ نہیں پیتا، اس لیے یہی خیال کیا گیا کہ سگریٹ قاتل کے ہاتھ میں تھا اور اس سے یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا کہ قاتل کوئی باہر کا آدمی تھا۔ یہی مسٹر ڈومی دو کا علم کہتا ہے۔ لیکن ان کے علم کی پہنچ اس بستی سے آگے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نہیں جان سکتے کہ قاتل کون ہے۔"

"ہوں! میں سمجھ گیا۔ اب میں خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ ٹوکا ہر روز صبح کی سیر کے لیے جاتا تھا۔ اس بات کا علم شاید ساری بستی کو تھا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک۔ بلکہ بستی کے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ ٹوکا ہمیشہ جنوب کی طرف جایا کرتا تھا۔ اس طرف بہت پیارے پھول ہیں۔" سردار نے کہا۔

"ٹھیک۔ مسٹر ٹوکا اس روز بھی معمول کے مطابق سیر کو گئے، لیکن واپس نہیں آئے۔ انھیں تلاش کیا گیا تو وہ

مُردہ پڑے ملے۔ کسی نے ان کا سر ایک نوکیلے پتھر سے کچل دیا تھا۔ خون آلود پتھر وہیں پڑا مل گیا تھا۔ وہاں سے سگریٹ کا ایک ٹکڑا۔ ایک خون آلود جوتا اور ہیرے کی ایک انگوٹھی بھی ملی۔ انگوٹھی مسٹر ٹوکا کی تھی، لیکن اس کی انگلی میں نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ جوتا صرف ایک ملا۔ دوسرا جوتا وہاں نہیں تھا۔ قاتل نہ جانے ایک جوتا پہن کر کس طرح گیا ہوگا۔ سگریٹ کا ٹکڑا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ قاتل بستی کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ ٹوکا بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ ویسے بستی میں کچھ سگریٹ پینے والے تو ہوں گے۔" انھوں نے رُک کر سردار کی طرف دیکھا۔

"نہیں! میں نے بستی کے لوگوں کو سختی سے منع کر رکھا ہے کہ کوئی شخص سگریٹ نہ پیے، اگر پیے گا تو اسے فی سگریٹ پانچ روپے جرمانہ ہو گا۔ اور اگر چوری چھپے پیتا پایا گیا تو پانچ سو روپے جرمانہ۔ لہٰذا کوئی بھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگاتا۔" سردار نے جلدی جلدی کہا۔

"گویا بستی میں سگریٹ نام کی چیز لائی ہی نہیں جاتی۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"خیر۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور سوال بہت اہم ہے۔ یہ کہ اگر قاتل باہر کا کوئی آدمی تھا جیسا کہ سگریٹ

کے ٹکڑے اور جُوتے سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو پھر وہ ہیرے
کی انگوٹھی، سونے کا ہار اور نقد رقم کیوں چھوڑ گیا۔ وہ
تو یہ چیزیں بہت آسانی سے لے جا سکتا تھا۔ دیکھیے نا۔ قاتل
اگر یہاں کا کوئی آدمی ہے تو اسے تو یہ فکر اور پریشانی ہو
گی کہ وہ ان چیزوں کو کہاں چھپائے گا اور اگر چھپا بھی دے
گا تو سماکا اور اس کے ساتھی انھیں تلاش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ
اس نے ان چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا۔ لیکن باہر کے کسی شخص کو
اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو یہ
چیزیں بے فکر ہو کر لے جا سکتا تھا۔ لہٰذا میں ایک ہی
نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اور وہ یہ کہ قاتل اس بستی کا ہی
کوئی شخص ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" سردار نے منہ بنایا۔

"اور اگر بات یہی ہے تو پھر ڈومی رو کیوں قاتل کا
پتا نہ چلا سکا۔" سماکا نے اعتراض کیا۔

"ہاں! مسٹر سماکا۔ آپ کی بات میں بہت وزن ہے،
لیکن اس بات کا جواب تو مسٹر ڈومی رو ہی دے سکتے
ہیں۔"

"میں۔ میں تو یہی جواب دوں گا کہ قاتل باہر کا

کوئی آدمی تھا۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ قیمتی چیزیں کیوں چھوڑ
گیا۔ تو میں کہہ سکتا ہوں۔ قاتل ہی جواب دے سکتا ہے۔"
اس نے جلدی جلدی کہا۔

"اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"ہاں! آپ لوگ ذرا گھبرائیے گا نہیں۔ ہم سوال پیدا
کرنے کے بہت ماہر ہیں۔ جب اس کام پر اُتر آتے
ہیں تو سوال پر سوال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔" فاروق
بولا۔

"اور سوال یہ ہے۔ کہ باہر کے کسی آدمی کو مسٹر ٹوکا سے
کیا دُشمنی ہو سکتی تھی۔ کیا ان کا باہر آنا جانا تھا اور کیا
انھوں نے باہر اپنے کچھ دوست بنا رکھے تھے؟"

"دوست۔ جی ہاں! وہ اکثر شہر جاتا تھا۔ اور شہر میں
جا کر بس ایک ہی کام کرتا تھا۔ یہ کہ کسی ہوٹل میں بیٹھ
کر کھاتا پیتا۔ چنانچہ کھانے پینے کے شوقین کچھ لوگ اس
کے دوست بن چکے تھے۔" سردار نے بتایا۔

"اور عام طور پر وہ کس ہوٹل میں بیٹھتا تھا؟"

"ہوٹل دخان اس کا پسندیدہ ہوٹل تھا۔"

"تب تو ہمیں تفتیش کے لیے شہر بھی جانا پڑے گا۔"

"ضرور جائیے - اب ہم کون سا زبردستی آپ سے تفتیش کرا رہے ہیں"

"ہوں - بات یہ بھی ٹھیک ہے - اب ایک سوال اور، آپ لوگوں نے بتایا ہے کہ خون آلود جوتا سب کو پہنا کر دیکھا گیا تھا - بستی میں کوئی شخص ایسا تو نہیں جس کو پہنا کر نہ دیکھا گیا ہو؟"

"نہیں - سبھی کو پہنایا گیا تھا" سردار نے فوراً کہا۔

"تو کیا مسٹر سماکا کو بھی پہنایا گیا تھا؟"

"سماکا کو - نہیں تو" سردار نے حیرت زدہ لہجے میں کہا -

"ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ سب کو پہنا کر دیکھا گیا تھا" انھوں نے کہا -

"سب سے مُراد ہمارے علاوہ سب کو" ڈومی رو بولا -

"کیا مطلب - کیا آپ سب کو جوتا نہیں پہنایا گیا تھا" انسپکٹر جمشید چونکے -

"ہاں ! یہی بات ہے - مجھے سماکا اور ڈومی رو پر پورا پورا اعتماد ہے ، لہٰذا ان دونوں کو جوتا پہنا کر نہیں دیکھا گیا تھا" سردار بولا -

"معاف کیجیے گا جناب - ایسے معاملات میں اعتماد کی بات نہیں چلتی - سب کچھ عملی طور پر کرنا پڑتا ہے - لہٰذا میں مسٹر سماکا اور مسٹر ڈومی رو سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس جوتے کو پہن کر دکھا دیں"

"کیا مطلب" وہ زور سے اُچھلے -

"آپ کو یہ جوتا پہن کر دکھانا ہو گا - اس کے بغیر تفتیش کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکے گی"

دونوں نے پریشان ہو کر سردار کی طرف دیکھا -

"کوئی بات نہیں - تم نے کون سا قتل کیا ہے - پہن کر دکھا دو" سردار مُسکرایا -

"جی ہاں ! اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا" ڈومی رو بولا -

"تو پھر - پہن کر دکھا دو"

ڈومی رو اُٹھا - اس نے جوتا فرش پر رکھا اور پاؤں اس میں ڈالا ، لیکن وہ اس کے پاؤں میں بہت ڈھیلا تھا - لہٰذا اس کا نہیں ہو سکتا تھا -

"مسٹر سماکا - آپ بھی" انسپکٹر جمشید بولے -

"بہت بہتر" اس نے کہا اور اُٹھ کر جوتا پہننے کی کوشش کی ، لیکن جوتا اس کے پاؤں میں چھوٹا تھا - زور لگانے پر بھی نہ آ سکا -

"میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ مجھے ان دونوں پر پورا پورا بھروسا ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ اب اس بستی میں ایسا صرف ایک آدمی رہ جاتا ہے۔ جس نے جوتا پہن کر نہیں دیکھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" سردار نے چونک کر کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ اب صرف آپ رہ گئے ہیں۔"

"کیا!!" سردار اچھل پڑا۔ ڈومی رو اور سماکا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بے بی

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر سردار نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں جناب؟"

"یہ کہ آپ بھی جوتا پہن کر دکھا دیں۔ ظاہر ہے۔ پانچ سال پہلے آپ نے تو جوتا پہن کر نہیں دکھایا ہوگا۔ جب کہ مسٹر سماکا اور مسٹر ڈومی رو تک نے نہیں پہنا تھا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اور مجھے ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، کیوں کہ قتل میرا بیٹا ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے، میں قاتل نہیں ہو سکتا تھا۔"

"کیوں۔ کیوں نہیں ہو سکتے تھے آپ قاتل۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"مجھے اپنے بیٹے کو قتل کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پوری بستی گواہی دے گی۔ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں تھا۔"

"ثبوت کی دُنیا ان باتوں کو نہیں مانتی۔ ٹھوس باتوں کو تسلیم کرتی ہے۔ آپ کو جُوتا پہن کر دکھانا ہو گا۔ ورنہ میں! اس تفتیش کو جُوں کا تُوں چھوڑ کر یہاں سے رُخصت ہو جاؤں گا۔"

"ہمیں رُخصت ہو بھی جانا چاہیے۔ ہمارے میزبان بہت بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" فارُوق نے گویا انھیں یاد دلایا۔

"ہاں بالکل!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میزبان۔ کیا مطلب۔ کیا آپ کی کہیں دعوت ہے؟"

"جی ہاں! ہم ایسے ہی تو گھر سے نکل کر اس طرف نہیں آ گئے۔ ہمیں آگے جانا ہے۔"

"اوہ اچھا۔ مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی۔ تو پھر کیا بہتر نہیں ہو گا کہ آپ پہلے دعوت سے فارغ ہو لیں۔ اور اس کیس پر آ کر غور کر لیں۔" سردار نے کہا۔

"افسوس! یہ بات ہمارے اُصول کے خلاف ہے۔ اب ہم دعوت کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتے۔"

"اچھی بات ہے۔ مَیں جُوتا پہن کر دکھا دیتا ہوں۔" سردار نے کہا اور اُٹھ کر جُوتا پہننے لگا۔ جلد ہی اس کا پاؤں جُوتے میں اُتر گیا۔ اور جُوتا بالکل فٹ بھی آ گیا۔

"ارے کیا۔ یہ تو آپ کے پاؤں میں بالکل فٹ ہے۔"

"ہاں! اس پر مجھے بھی حیرت ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ ایک سائز کے پاؤں تو بے شمار لوگوں کے ہوتے ہیں۔"

"بے شک ہوتے ہیں، لیکن اس بستی میں یہ جوتا کسی کے پاؤں میں بھی فِٹ نہیں آیا۔ سوائے آپ کے۔" انسپکٹر جمشید نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اور آپ جُوتا پہننے سے پہلے یہ بھی چاہ رہے تھے کہ ہم اس معاملے کو درمیان میں چھوڑ کر دعوت میں چلے جائیں۔" فرزانہ نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"اور یہیں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مسٹر ڈومی رو کیوں قاتل کو اپنے علم کے ذریعے نہیں پہچان سکے۔ دراصل انھوں نے پہچان تو لیا تھا، لیکن یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ سردار صاحب ہی قاتل ہیں۔"

"ہُوں! بات تو ٹھیک ہے۔" خان رحمان بولے۔

"اس طرح باقی باتیں بھی واضح ہو جاتی ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"باقی باتیں، کیا مطلب؟" سردار نے چونک کر کہا۔

"ہیرے کی انگوٹھی، سونے کا ہار اور نقدی آپ کو نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ وہ آخر آپ کو ہی مل جانا تھیں۔"

"اور سگریٹ کا ٹکڑا؟" سردار نے پوچھا۔

"کیا آپ سگریٹ پیتے ہیں؟"

"نہیں۔ جب پوری بستی نہیں پیتی تو میں کس طرح پی سکتا ہوں؟"

"تب پھر آپ ان سے چوری چھپے پیتے ہوں گے۔"

"نہیں۔ میں سگریٹ نہیں پیتا۔" سردار نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"خیر۔ سگریٹ کے ٹکڑے کا حل بھی ہم نکال لیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ایک اُلجھن اور۔" سردار نے منہ بنایا۔

"اور وہ کیا؟"

"ہیرے کی انگوٹھی انگلی سے نکلی ہوئی کیوں تھی؟"

"یہ بات بھی کچھ عجیب نہیں۔ آپ نے کیس کو اُلجھانے کے لیے انگوٹھی نکالی اور لاش کے پاس گرا دی۔"

"خوب۔ یہ جواب بھی بہترین ہے۔ اب میرا ایک آخری سوال۔ جس کا آپ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔"

"اوہو اچھا۔ یہ بات بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں۔ آخر۔ مجھے۔ اپنے۔ بیٹے۔ کو۔ قتل۔ کرنے۔

ی۔ کیا۔ ضرورت۔ تھی؟ بس۔ اس سوال کا جواب آپ ے دیں۔"

"یہ سوال واقعی بہت اہم ہے۔ اور میں اس کا جواب ے بغیر۔ آپ کو قاتل نہیں ٹھہراؤں گا۔ مطمئن رہیں۔"

"نہیں نہیں۔ یہ غلط ہے۔ سردار صاحب قاتل نہیں ہو گے۔" سماکا نے چیخ کر کہا۔

"چیخو نہیں سماکا۔" سردار پُر سکون آواز میں بولا۔

"میں مقتول کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا ان کی چیزیں حفوظ ہیں؟"

"ہاں بالکل۔ ٹوکا کا کمرہ اس دن سے بند پڑا ہے۔ م نے نہیں کھولا۔" سردار نے کہا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ مہربانی فرما کر ان کا کمرہ کھلوا دیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ویسے سردار صاحب۔ آپ نے اب تک اس جرم سے انکار نہیں کیا۔"

"انکار۔ مجھے بالکل انکار ہے۔ مجھے تو اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی۔ بھلا میں کیوں اسے قتل کرتا۔"

"چلیے۔ آپ نے انکار تو کیا۔ یہ ہمارے لیے بہت اچھی

بات ہے۔ ہم دوسرے امکانات کو بھی نظر میں رکھیں گے۔"

"جاؤ سماکا۔ کمرہ کھول دو۔"

"بہت بہتر سردار۔ کیا میں ان کے ساتھ موجود رہوں؟"

"نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔ انھیں اپنا اطمینان کر لینے د

"بہت اچھا۔ چلیے جناب۔" اس نے کہا۔

وہ کمرے سے نکلے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رُک گئے۔ برا
میں اس دروازے کے قریب دیوار سے لگی ایک لڑکی کھڑی تھی
اس کی عمر بیس سال سے زائد معلوم ہوتی تھی۔ اس کی
آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی
آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ وہ گھبرا گئے۔ سوالیہ انداز میں اُ
نے سماکا کی طرف دیکھا، لیکن وہ غائب تھا۔ انھیں بہت
حیرت ہوئی۔ سماکا تو ان کے ساتھ کمرے سے نکلا تھا۔
کیا وہ پھر کمرے میں گھس گیا، لیکن کیوں۔ ابھی وہ کھڑے
سوچ ہی رہے تھے کہ سماکا سردار کے ساتھ باہر نکلا:

"بے بی۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"م م۔ میں۔ مجھے۔ اپنا بھائی یاد آ گیا۔ یہ۔ یہ لوگ اس
کی باتیں کر رہے تھے نا۔"

"ہاں بے بی۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ بُری بات ہے"
سردار نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات بُری ہے بابا جان؟" اس نے حیران ہو کر
کہا۔

"اتنی بڑی ہو کر تم رو رہی ہو۔ اور وہ بھی دوسروں
کے سامنے۔"

"میں کیا کروں۔ بھائی کی صورت میں ابھی تک بھلا نہیں
سکی۔" اس نے کہا۔ آنسوؤں کا سلسلہ اب اور بھی تیز ہو گیا۔

"اچھا چلو۔ میں تمھیں تمھارے کمرے تک چھوڑ کر آتا ہوں،
آپ لوگ سماکا کے ساتھ جائیں۔"

یہ کہہ کر سردار نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور برامدے میں
تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ سماکا انھیں لے کر چلا۔ انھوں نے
ان دونوں کو ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، ساتھ ہی
دروازہ بند کر دیا گیا اور وہ آگے بڑھ گئے۔

"تو یہ ٹوکا کی بہن ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں۔" سماکا بولا۔

"شاید اسے بھائی کے قتل کا سب سے زیادہ دکھ ہے۔"

"اپنی ماں سے کم ہی ہو گا۔ وہ تو لاش دیکھ کر بے ہوش
ہو گئی تھی۔"

"ہوں! مسٹر سماکا۔ کیا آپ کے خیال میں۔ ٹوکا کو سردار
نے ہی قتل کیا ہے؟"

"ہرگز نہیں ۔ انہیں ایسا کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ وہ تو ان کا بہت پیارا بیٹا تھا ۔ اور ان کے بعد سردار ہونے والا تھا۔"

"واہ ۔ کیا بات کہی۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"کیا مطلب ۔ میں نے کوئی خاص بات تو نہیں کہی" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ نے اپنے خیال میں خاص بات نہ کہی ہو گی ۔ ہم تو اسے خاص ۔ بلکہ خاص الخاص بنانے کا اختیار رکھتے ہیں نا۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ سردار کے بعد نوکا کو سردار بننا تھا ۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں کون سردار بنے گا؟"

"مسٹر ڈومی رو۔"

"ڈومی رو ۔ وہ کیسے؟"

"نوکا کے قتل ہو جانے کے بعد سرداری کا حق اب صرف بینا کا ہے ، لیکن وہ لڑکی ہے ۔ ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ لڑکی کو سردار نہیں بنایا جاتا ۔ ہاں لڑکی سے جس کی شادی ہو ، اس کو سردار بنا دیا جاتا ہے ۔ تاکہ لڑکی کسی نہ کسی صورت میں سردار رہے۔"

"تو کیا ۔ ڈومی رو کی شادی بینا سے ہو گی؟"

"ہاں ! یہ شادی بہت عرصہ پہلے طے کر دی گئی تھی ۔ لیکن نوکا کے قتل کی وجہ سے شادی نہ ہو سکی ۔ اب شاید ایک دو سال بعد ہو جائے گی۔"

"اور اس طرح ڈومی رو سردار بن جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"سردار کی زندگی میں نہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ہاں ! میں سمجھ گیا ۔ تب تو نوکا کا قاتل ڈومی رو بھی ہو سکتا ہے ۔ اور اسی لیے وہ قاتل کا نام نہیں بتا سکتا تھا ۔ ظاہر ہے ۔ وہ خود اپنا نام کس طرح بتا دیتا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ آپ کا خیال ہے ۔ اور لوگوں کا بھی یہ خیال ہے ، شاید کبھی سردار نے بھی یہ بات سوچی ہو ۔ لیکن ۔ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔"

"ہوں ۔ تم فکر نہ کرو ۔ ثبوت حاصل کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ۔ کیا آپ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ قاتل مسٹر ڈومی رو ہے؟"

"نہیں ۔ ابھی یہ صرف ایک خیال ہے۔"

ایک کمرے کے دروازے پر رُک کر سماکا نے تالا کھول ڈالا:

"مجھے اجازت دیں۔ میں یہیں سے لوٹ جانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں۔ کمرے کے اندر نہیں آئیں گے؟"

"نن۔ نہیں۔ مجھ پر ہول طاری ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کمرے میں لوکا کی رُوح موجود ہو۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اچھا خیر۔ آپ جائیں۔ ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

سماکا چلا گیا۔

اور وہ اندر داخل ہوئے۔ کمرہ پوری طرح گرد آلود تھا۔

"یُوں تو کام نہیں چلے گا۔ پہلے کمرے کی صفائی کرا لینی چاہیے۔" خان رحمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہُوں۔ ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے اور پھر جا کر سماکا کو لے آئے۔

"مسٹر سماکا۔ اندر تو گرد ہی گرد ہے۔"

"جی ہاں! پانچ سال سے بند جو پڑا ہے۔"

"گویا اس روز کے بعد اس کو کھول کر دیکھا ہی نہیں

گیا۔"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"خیر۔ اس کو اندر سے صاف کروا دیں۔"

"کوئی تیار نہیں ہو گا۔ سب کے سب اس کمرے میں آتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔" سماکا نے کہا۔

"چلیے۔ باہر سے کسی آدمی کو پکڑ لائیں۔"

"باہر کا بھی کوئی آدمی نہیں آئے گا۔ ان سب کا خیال ہے کہ لوکا کی رُوح کمرے میں رہتی ہے۔"

"یہ سب وہم ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے بھنّا کر کہا۔

"یہ آپ کا خیال ہے۔ ہمارا نہیں۔" وہ مُسکرایا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم خود صاف کر لیتے ہیں۔" فرزانہ نے جل بُھن کر کہا۔

"آپ صاف کریں گے۔ گرد میں اٹ جائیں گے۔"

"پروا نہیں۔ کام تو کرنا ہی پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر کریں صاف۔ میں تو چلا۔"

اسی وقت قدموں کی آہٹ ہوئی۔ وہ چونک کر مُڑے۔ انھوں نے دیکھا۔ بینا ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اور اس کی نظریں سماکا کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"یہ جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔ میرے بھائی کی رُوح اس

کمرے میں کہاں۔ ان سب کا دماغ چل گیا ہے۔ آپ ہٹ جائیے۔ میں کمرہ صاف کروں گی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ تیر کی طرح آگے بڑھی اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ سما کا بھونچکا رہ گیا۔ ادھر کمرے میں گرد اُڑ رہی تھی۔

نوٹ بک

آدھ گھنٹے کے بعد بینا کمرے سے نکلی تو پوری طرح گرد میں اٹی ہوئی تھی، لیکن کمرہ خوب چمک رہا تھا۔ گویا کمرے کی ساری گرد اس نے اپنے اوپر لے لی تھی۔

"آپ لوگ اپنا کام کریں۔ میں کچھ دیر بعد آؤں گی۔"

"بہت بہت شکریہ محترمہ۔"

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے۔" وہ بولی۔

"وہ کیوں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ میرے بھائی کے قاتل کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے کیا آپ اس تک پہنچ جائیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ اللہ نے چاہا تو اسے بے نقاب کر کے رہیں گے۔"

"جب کہ میرا خیال ایسا نہیں ہے۔" وہ بولی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"یہ کہ آپ نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"خیر۔ دیکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

"میں اس لیے کہ رہی ہوں کہ پانچ سال تو ہو چکے ہیں، لیکن ڈومی رو جیسا عالم تک اسے نہیں پہچان سکا۔"

"یہ ڈومی رو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا یہ واقعی ستاروں کا علم جانتا ہے؟"

"ستاروں کے علم کا ماہر ضرور ہے، لیکن بعض اوقات ناکام بھی رہتا ہے۔"

"ہوں۔ اچھا شکریہ۔ آپ تشریف لے جائیں۔"

وہ چلی گئی اور وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اب کمرے کی ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ اس میں کتابوں کی تین الماریاں تھیں۔ لکھنے پڑھنے کا دوسرا سامان تھا۔ جوڈو کراٹے وغیرہ کے سامان کی بھی ایک الماری تھی۔ اس کے علاوہ تصویروں کا ایک البم بھی تھا۔

انھوں نے ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینا شروع کیا:

"کتابوں کی ایک الماری کو میں دیکھتا ہوں۔ دوسری الماری خان رحمان تم دیکھو ۔۔۔ اور تیسری الماری محمود۔ باقی رہ گئے فاروق اور فرزانہ۔ یہ دونوں دوسری چیزیں دیکھیں گے۔"

"دوسری کیا۔ ہم تیسری دیکھنے کو تیار ہیں۔" فاروق نے

ز بنایا۔

وہ کام میں جُٹ گئے۔ ایک دو بار انھوں نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ تو کتابوں میں گم معلوم ہو رہے تھے۔ ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد انھوں نے کمرے کا جائزہ لینا بند کر دیا اور باہر نکل آئے۔ انھوں نے اسی وقت پھر بینا کو آتے دیکھا۔ اب وہ صاف ستھری نظر آ رہی تھی۔ شاید نہا کر آئی تھی۔

"ارے! آپ فارغ بھی ہو گئے۔"

"ہاں! کمرے میں ہے ہی کیا۔ بس کتابیں دیکھنے میں کچھ دیر لگی۔"

"پھر۔ آپ لوگوں کو کوئی کامیابی ہوئی۔"

"ہم ایک جگہ بیٹھ کر پہلے آپس میں گفت گو کریں گے ۔۔ اس کے بعد آپ لوگوں کو کچھ بتا سکیں گے۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے کہا۔

"کیا ہمیں یہاں ایک الگ کمرہ مل سکتا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ آپ لوگ میرے کمرے میں آ جائیے، میں تو اب اپنی والدہ کے ساتھ باورچی خانے میں رہوں گی۔"

"شکریہ!"

وہ اس کے ساتھ چلتے ایک خوب صورت کمرے میں آئے،

بینا فوراً ہی باہر نکل گئی۔ اور وہ پتھروں کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی۔ اپنی اپنی رپورٹ پیش کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مقتول کو جوڈو کراٹے کا بہت شوق تھا، لیکن وہ اس فن میں ابھی کچھ مہارت نہیں حاصل کر سکا تھا۔ یہ اس بات سے ثابت ہے کہ آلات ابتدائی درجے کے پائے گئے ہیں۔ ویسے وہ ایک طاقت ور آدمی تھا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کس بات سے ثابت ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"آلات اگرچہ ابتدائی ہیں، لیکن بہت وزنی ہیں۔ یعنی کسی عام آدمی کے نہیں۔ طاقت ور آدمی کے ہیں۔"

"ہوں خیر۔ فرزانہ تم نے کیا بات نوٹ کی؟"

"اس میں انتظامی صلاحیت بہت تھی۔ اپنے باپ کے بعد وہ ایک بہت کامیاب سردار ہوتا۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"یہ اندازہ کس طرح لگایا؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں قدرے حیرت در آئی۔

"کمرے کی ترتیب دیکھ کر۔"

"چلو یہ بھی ہو گیا۔ محمود اب تمہاری باری ہے۔"

"وہ کافی اچھا بھلا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس کی ایک نوٹ بک میرے ہاتھ لگی ہے۔ اس نے بہت بہترین قسم کی کتب

جمع کی ہیں۔ ہر مذہب کی کتابیں الماری میں موجود ہیں۔"

"یہی میں کہنے والا تھا جمشید۔"

"اور میں بھی۔" انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟" محمود چونکا۔

"یہ کس طرح حیرت کی بات ہے۔ کہ ایک آگ کو پوجنے والا اپنے کمرے میں تمام مذاہب کی کتابیں جمع رکھتا ہے۔ ان کا مطالعہ بھی لازمی طور پر کرتا رہا ہو گا، لیکن رہا آتش پرست کا آتش پرست۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"ان الماریوں میں ہمارے دین اسلام پر بھی کتابیں موجود ہیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر بھی کتب موجود ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کتابوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ یقیناً ہوا ہو گا۔"

"لیکن اس بات کا ہمارے کیس سے کیا تعلق؟"

"تعلق نہ سہی۔ لیکن یہ بات ہے عجیب۔ کہ ایک آتش پرست کے کمرے میں اسلام کی کتابیں۔" وہ بولے۔

"اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی بھی تو ہیں۔" خان رحمان نے اعتراض کیا۔

"ہاں ہیں۔ لیکن بہت کم۔ زیادہ کتب اسلام پر ہیں۔

خیر۔ مطلب یہ کہ کیس سے متعلق کوئی کام کی چیز ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔"

"کیوں نہیں ابا جان۔ آپ اس نوٹ بک کو بھول رہے ہیں جو مجھے ملی ہے۔"

"اوہ ہاں واقعی۔ لاؤ۔ ہم اس نوٹ بک کو پڑھیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

محمود نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر دھک سے رہ گیا۔

"کیا ہوا بھئی۔ ہاتھ جیب میں چپک گیا کیا۔ اوہ ہاں یاد آیا۔ کل تمھارے ہاتھ میں گوند کی ایک شیشی تھی۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بالکل غلط۔ وہ گوند کی نہیں ناریل کے تیل کی شیشی تھی۔" فرزانہ نے کہا۔

"تم دونوں نے علم نجوم تو نہیں سیکھ لیا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں کیوں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

ڈومی رو جیسی غلط باتیں کر رہے ہو۔ وہ شیشی نہ تیل کی تھی نہ گوند کی۔ بلکہ دوا کی تھی۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"ارے ہائیں۔ تم بیمار تھے کل۔ اور ہمیں پتا بھی نہ چلا۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"نہیں کیا۔ ہمارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"دھت تیرے کی۔ ارے بابا۔ میں بیمار ویمار نہیں تھا، ایک غریب آدمی کی بچی بیمار تھی۔ وہ دوا کی شیشی اس کے لیے لایا تھا میں۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"بات کیا تھی اور لے گئے کہاں کی کہاں۔ تم نے دیکھا خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید نے ہنسا کر کہا۔

"نہ صرف دیکھا، بلکہ سنا بھی۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن افسوس۔ اتنی بہت سی باتیں ہو جانے کے بعد بھی محمود کا ہاتھ جیب سے باہر نہیں نکلا اور بات یہیں سے شروع ہوئی تھی۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"لو نکل آیا باہر۔" محمود جل گیا۔

انھوں نے دیکھا۔ اس کا ہاتھ خالی تھا۔

"لیکن۔ یہ تو خالی ہے۔"

"اسی لیے تو باہر نہیں آ رہا تھا۔ نوٹ بک غائب ہے۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

☆

"تم نے کیا کہا محمود — نوٹ بک غائب ہے؟" فاروق نے
پوچھا۔

"ہاں! میں نے سنسکرت میں بات نہیں کی۔"

"لیکن نوٹ بک غائب کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے
پر تو نہیں تھے؟" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں — جب میں نے جیب میں رکھی تھی، اس وقت پر
نہیں تھے۔" محمود بے چارگی کے عالم میں مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی اب میں کیا کہوں — کس طرح غائب ہوئی ہے۔" محمود
نے منہ بنایا۔

"یہ تو تمہیں یاد ہے نا کہ نوٹ بک جیب میں ہی
رکھی تھی۔"

"ہاں بالکل!"

"سوچ لو — اس کمرے میں تو نہیں بھول آئے؟" فاروق
نے کہا۔

"نہیں — اچھی طرح یاد ہے۔"

"تب پھر اس گھر میں کوئی ماہر جیب کترا رہتا ہے،
جس نے تمہاری جیب سے وہ نوٹ بک اڑائی ہے۔" فرزانہ نے
خیال ظاہر کیا۔

"لیکن — ٹوکا کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اور
نکلنے تک سوائے بیتا کے اور تو کوئی بھی ہمارے پاس
نہیں آیا۔"

"اوہ — تو پھر آؤ — جلدی کرو۔" محمود نے پر جوش انداز
میں کہا۔

انھوں نے قدم اٹھا دیے، لیکن پھر رک گئے —
کیوں کہ انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں تھے، وہیں
بیٹھے رہے۔

"کیوں — آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

"نہیں — اپنے انکل خان رحمان کو ساتھ لے جاؤ۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے — آپ کو کوئی نئی بات سوجھ گئی
ہے۔"

"پتا نہیں — نئی سوجھی ہے یا پرانی — تم جاؤ — میں یہیں
ٹھہروں گا، کیوں کہ مجھے یہاں ایک کام کی چیز نظر آگئی
ہے۔" انھوں نے پر اسرار انداز میں کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — اور جلدی جلدی
کمرے کی چیزوں کا جائزہ لینے لگے —

"جاؤ بھئی — اپنا کام کرو — تمہیں وہ چیز نظر نہیں آئے

گی۔" وہ ہنسے۔

"کوئی بات نہیں۔ آکر آپ کے ذریعے دیکھ لیں گے۔ آؤ بھئی۔" محمود نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

بینا کے کمرے سے نکل کر تیز تیز قدم اُٹھاتے وُہ اندازے سے باورچی خانے تک پہنچ گئے۔ اندر ایک ادھیڑ عُمر عورت کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

"آپ سردار صاحب کی بیگم ہیں؟" خان رحمان بولے۔

"ہاں! اور آپ وُہ سُراغ رساں ہیں۔ جو میرے بیٹے کے قاتل کا سُراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں؟" عورت بولی۔

"آپ ٹھیک سمجھیں۔" اُنھوں نے کہا۔

"فرمائیے۔ کیا مجھ سے بھی کچھ پُوچھنا ہے؟"

"جی ہاں! بہت کچھ۔ لیکن پہلے تو یہ بتائیے۔ بینا صاحبہ کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں۔ اپنے کمرے میں ہو گی۔"

"لیکن اُئی تو وُہ اِدھر ہی تھیں۔ کہ رہی تھیں۔ باورچی خانے میں جا کر آپ کا ہاتھ بٹانا ہے۔"

"میرا ہاتھ۔ اور وُہ بٹائے گی۔ اس نے تو کبھی باورچی خانے میں آنا پسند نہیں کیا۔"

"کیا؟" وہ بول اُٹھے۔

"ہاں! اوّل تو اسے بھائی کا غم نہیں چھوڑتا۔ دُوسرے کتابیں۔ بھائی تو کتابوں میں غرق رہتا ہی تھا۔ کہ اب یہ بھی رہنے لگی۔"

"اوہ۔ شکریہ۔ ہم انھیں ڈھونڈ لیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"اور وُہ۔ آپ لوگ مجھ سے کچھ پُوچھنے والے تھے؟" اس نے کہا۔

"ابھی آکر پُوچھیں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

اور وُہ مکان میں اِدھر اُدھر چکرانے لگے۔ مکان بہت بڑا تھا۔ اور شاید اس کے بنانے میں سالوں لگے تھے، کیوں کہ پتھروں کو کاٹ کر جوڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ایسے میں ان کی نظریں سماکا پر پڑیں۔ وُہ ایک برآمدے کا موڑ مُڑ رہا تھا۔

"مسٹر سماکا۔ بینا صاحبہ کو دیکھا ہے کہیں؟"

"ہاں! تھوڑی دیر پہلے۔ مکان کے پچھلے حصّے میں دیکھا تھا۔ باغ میں۔"

"جی۔ باغ میں۔ تو کیا یہاں کوئی باغ بھی ہے؟"

"ہاں! مکان کے پچھلے حصے میں بہت خوش نما باغ ہے" سماکا نے بتایا۔

"لیکن پتھروں میں پھول کیسے کھل سکتے ہیں؟"

"پتھروں کے پھول تو بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ جا کر دیکھ لیں۔"

"اوہ۔ بہت بہت شکریہ!"

وہ باغ میں پہنچے اور حیران رہ گئے۔ واقعی بہت پیارے پھول کھلے تھے۔ پھول گہرے کاسنی رنگ کے تھے اور انھوں نے ایسے پھول پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ان پھولوں کے درمیان پتھر کے بینچ پر سینا بیٹھی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر فاصلے پر ہی رک گئے۔ اسے ان کی آمد کا کوئی احساس نہ ہو سکا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

آخر وہ آگے بڑھے۔ نزدیک پہنچنے پر انھوں نے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ بک تھی اور وہ اسے پڑھنے میں محو تھی۔

"تو یہ نوٹ بک آپ میری جیب سے اڑا لائی ہیں۔"

"ہاں! پہلے اسے میں پڑھنا چاہتی تھی۔" اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ میری جیب میں ہے؟"

"نہانے کے بعد میں آپ کو چھپ کر دیکھتی رہی تھی۔"

"اوہ۔ اب مہربانی فرما کر یہ ہمارے حوالے کر دیں۔ ہمیں کیس کی تہ تک پہنچنا ہے۔" محمود نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیجیے۔ میں نے ابھی مکمل نہیں پڑھی۔ خیر بعد میں پڑھ لوں گی۔" اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔

محمود نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ بک لے لی۔ اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"ذرا مجھے دکھانا محمود۔" فرزانہ نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"ابھی چل کر اسے ہی دیکھیں گے۔ ایسی بھی کیا بے چینی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں پڑھنے کی بجائے کچھ اور دیکھنا چاہتی ہوں۔" فرزانہ نے اسے گھورا اور محمود کے ہاتھ سے نوٹ بک لے لی۔

اس نے ایک ایک کر کے اس کے ورق الٹنا شروع کیے اور پھر ایک جگہ اس کے ہاتھ رک گئے:

"وہی بات ہوئی۔ جس کا مجھے خیال آیا تھا۔"

"ہمیں کیا معلوم۔ تمھیں کس کا خیال آیا تھا۔" فاروق بولا۔

"یہ دیکھیے انکل۔" فرزانہ نے نوٹ بک خان رحمان کے سامنے کر دی۔

"کیا دیکھوں؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"جس جگہ سے نوٹ بک کھلی ہوئی ہے۔ اس جگہ آپ کو کیا نظر آ رہا ہے؟"

"نن۔ نوٹ بک کے دونوں صفحے۔ اور کیا نظر آئے گا" وہ بوکھلا اُٹھے۔

"اور۔ ان دونوں صفحات کے درمیان میں؟" محمود مُسکرایا۔

"درمیان میں۔ اوہ ہاں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس جگہ سے کوئی وَرق پھاڑا گیا ہے۔"

"جی ہاں! اسی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتی تھی۔" فرزانہ نے کہا اور نظریں سینا کی طرف گھما دیں۔

سینا زور سے اُچھلی۔

بابا

ان کے جاتے ہی انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف بڑھے، لیکن پھر ٹھٹک کر رُک گئے۔ انھوں نے دیکھا، دروازے میں ڈومی رو کھڑا تھا:

"آئیے۔ باہر کیوں رُک گئے؟"

"آپ یہاں اکیلے کیا کر رہے ہیں؟" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"کیوں۔ کیا اس کمرے میں اکیلے نہیں ٹھہرا جا سکتا۔ آسیب زدہ ہے کیا یہ کمرہ؟" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں۔" اس نے جتا کر کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"یہ سینا کا کمرہ ہے۔ آپ کو اس کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے جل بھن کر کہا۔

"سینا ہی ہمیں یہاں چھوڑ گئی ہے۔"

"ہمیں - لیکن - یہاں تو صرف آپ ہیں۔"

"ہاں ! میرے ساتھیوں کو ایک ضروری کام سے کمرے سے نکلنا پڑ گیا - وہ محترمہ بینا کے پاس گئے ہیں جو اس وقت باورچی خانے میں مصروف ہیں۔"

"کہاں ؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"باورچی خانے میں۔"

"ضرور آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے - بینا باورچی خانے کا کبھی رُخ نہیں کرتی - کھانا پکانے کا کام اسے بالکل نہیں آتا۔"

"تب پھر یہ غلط بیانی بھی اس کی ہے ، اس نے ہی کہا تھا کہ ہم لوگ یہاں بیٹھ سکتے ہیں اور خود وہ باورچی خانے کی طرف جا رہی ہے ، جہاں اپنی ماں کا ہاتھ بٹائے گی۔"

"اس نے مذاق کیا ہے - آپ اس کمرے سے باہر آ جائیں ، میں آپ کو دوسرے کمرے میں بٹھا دیتا ہوں۔"

"شکریہ ! میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

"لیکن میں آپ کا اس کمرے میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتا - آپ کو باہر آ جانا چاہیے۔"

"آخر کیوں ؟"

"اس لیے کہ یہ ایک لڑکی کا کمرہ ہے۔"

"تو پھر - اس سے کیا ہوتا ہے ؟"

"بس - میں پسند نہیں کرتا۔"

"ہم آپ کے نہیں - سردار کے مہمان ہیں۔"

"ٹھیک ہے - اب مجھے ان کو یہاں لانا پڑے گا۔" اس نے پاؤں پٹخے۔

"ضرور لائیں - مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور وہ جلتا بھنتا ، پاؤں زور زور سے زمین پر مارتا چلا گیا - انسپکٹر جمشید قدرے حیرت زدہ سے کھڑے رہے ، پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا - اور کمرے کی چیزوں کا بغور جائزہ لینے لگے - اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ؟" انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بلند آواز میں بولے۔

"میں ہوں۔" سردار کی آواز سنائی دی۔

"فرمائیے - کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"پہلے تو دروازہ کھولیے - آپ نے دروازہ کیوں بند کر لیا ہے ؟"

"ہمیں یہاں مسٹر توکا کے قاتل کی گرفتاری کے لیے مقرر کیا گیا ہے - اور ہم یہی کام کر رہے ہیں۔"

"یہ کام کرنے کے لیے کیا یہی کمرہ رہ گیا تھا۔" سردار کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"ہاں! یہ کمرہ بھی بہت اہم ہے۔"

"مہربانی فرما کر پہلے دروازہ کھولیں، پھر بات کریں۔"

"آپ کیوں مجھے اپنا کام نہیں کرنے دے رہے۔"

"آپ اس کمرے میں کیا کام کرنا چاہتے ہیں؟"

"قاتل کا سراغ لگانے کی فکر میں ہوں۔" وہ بولے۔

"قاتل کا سراغ اور اس کمرے میں لگائیں گے — حیرت ہے۔" سردار نے کہا۔

"یہ میرا کام ہے — اسے کس طرح کرنا ہے، میں ہی جانتا ہوں۔"

"اس کے باوجود میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ کمرے کا دروازہ کھول دیں۔" سردار نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"افسوس! میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"ڈومی رو — یہ حضرت اس طرح نہیں مانیں گے — ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لو — اگر اس پر بھی اس نے دروازہ نہ کھولا تو ہم ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیں گے۔"

"میں ایسی دھمکیوں میں آنے والا نہیں۔" اندر سے انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھی بات ہے، آؤ ڈومی رو۔" سردار نے تملا کر کہا اور قدم اٹھا دیے — ڈومی رو بھی اس کے پیچھے چلا گیا — کمرے کے اندر انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ تیر گئی — انھوں نے جلدی جلدی بینا کی چیزوں کی تلاشی شروع کی — کپڑے کی الماری میں بے شمار کپڑے لٹک رہے تھے — اس کے نچلے خانے میں چمڑے کا ایک سوٹ کیس بھی موجود تھا — سوٹ کیس پر ننھا سا تالا بھی لگا ہوا تھا — وہ بھلا اس تالے کو کب خاطر میں لانے والے تھے — اسے فوراً مروڑ ڈالا، لیکن ابھی اس کا ڈھکنا اٹھایا نہیں تھا کہ ایک تیز آواز گونجی — آواز ایسی تھی جیسے جنگ کے موقعوں پر بگل بجایا جاتا ہے — بگل مسلسل بج رہا تھا، پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی — اور آواز دور ہوتی چلی گئی — ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے — سوٹ کیس کو بھول کر وہ دروازے کی طرف آئے اور چٹخنی گرا دی — ہینڈل پکڑ کر کھینچا — لیکن دروازہ نہ کھلا — شاید جاتے ہوئے سردار یا ڈومی رو دروازہ باہر سے بند کر گئے تھے —

"آپ — مجھے کیوں گھور رہے ہیں:" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ نے اس نوٹ بک میں سے ورق کیوں پھاڑا؟"

"م — میں نے — نن — نہیں تو۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں — یہ ورق آپ نے نہیں پھاڑا۔"

"ہاں! بالکل۔"

"لیکن آپ کے علاوہ تو نوٹ بک اور کسی کے ہاتھ میں نہیں گئی — آپ نے ہی اسے میری جیب سے اڑایا تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے — اس کے باوجود ورق میں نے نہیں پھاڑا۔"

"تب پھر — شاید یہ پانچ سال پہلے ہی کسی نے یہاں سے پھاڑا ہوگا۔" محمود بڑبڑایا۔

"اوہ ہاں! ضرور یہی بات ہے — اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"خیر — ہم اسے لے جاتے ہیں — پڑھ کر آپ کو دے دیں گے۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا۔

انھوں نے قدم اٹھائے ہی تھے کہ ایک تیز بگل کی آواز سنائی دی — بینا زور سے اچھلی — پھر اس کا رنگ اڑتا نظر آیا۔

"یہ — بگل کی آواز کیسی ہے؟ معلوم ہوتا ہے — آس پاس ہی بجایا جا رہا ہے۔"

"ہاں! ایک بلند چٹان پر ایک آدمی موجود ہے — بگل وہ بجا رہا ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"ساتھ والی بستی کے لوگوں نے حملہ کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب — ساتھ والی بستی — تو کیا کوئی اور بستی بھی ہے یہاں آس پاس؟"

"ہاں — اوہ — مجھے تو مورچے پر پہنچ جانا چاہیے۔" اس نے کہا اور دوڑ پڑی۔

انھوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"ایک نئی صورتِ حال — ہمیں فوراً ابا جان کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔" محمود بولا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور بینا کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے — دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئے۔

"ارے — دروازہ تو باہر سے بند ہے — کیا ابا جان اندر نہیں ہیں۔"

اسی وقت دروازہ اندر سے دھڑدھڑایا گیا۔

"اوہ — ابا جان اندر بند ہیں۔" فاروق نے کہا اور فوراً دروازہ کھول دیا — انسپکٹر جمشید فوراً باہر نکل آئے۔

"باہر سے دروازہ کس نے بند کر دیا تھا ابا جان؟"

"سردار یا ڈومی رونے — وہ مجھے کمرے سے باہر نکالنے پر تُلے تھے — ادھر میں تلاشی لینا چاہتا تھا — پتا نہیں یہ جنگ کیسا ہے؟"

"بینا کا کہنا ہے کہ پڑوس کی بستی کے لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا ہے۔"

"اوہ — آؤ — حالات کا جائزہ لیں۔"

عین اسی وقت گولیوں کی تڑا تڑ گونجنے لگی۔

"لو بھئی خان رحمان — یہاں تو باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھا ہی ہے — بے قاعدہ جنگ مجھے پسند نہیں۔" خان رحمان بولے۔

وہ مکان کی چھت پر پہنچے اور سر جھکائے آگے بڑھے، مکان کی چھت پر قلعے کی فصیل کی طرح دیوار بنائی گئی تھی اور اس میں رائفلوں کی نالوں کے لیے سوراخ بھی رکھے گئے تھے — سردار اور اس کے ساتھی ان سوراخوں سے فائرنگ کر رہے تھے — بستی کے دوسرے مکانوں سے بھی

دشمنوں پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔

"کیا ہم کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"اوہ — تم لوگ — یہاں بھی آ گئے — لیکن تم کیا مدد کر سکو گے؟"

"ہم دشمنوں کے مقابلے میں آپ کی بہت مدد کر سکتے ہیں، لیکن پہلے یہ جاننا پسند کریں گے کہ یہ لوگ کون ہیں؟"

"انسان ہیں — اور کون ہوتے۔" سردار نے منہ بنایا۔

"میرا مطلب ہے — آپ کی ان سے کیا دشمنی ہے؟"

"یہ ہمیں ختم کر کے اس بستی پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا یہ بھی آتش پرست ہیں؟"

"نہیں! یہ بت پرست ہیں۔"

"ہمارے لیے دونوں ایک جیسے ہیں، لیکن چُوں کہ ہم اس وقت یہاں موجود ہیں — اس لیے آپ لوگوں کی ہی مدد کریں گے۔"

"اس سے اچھی بات کیا ہو گی — اٹھا لو رائفلیں۔" سردار نے چھت پر پڑی فالتو رائفلوں کی طرف اشارہ کیا — انھوں نے ایک ایک رائفل اٹھا لی — اور خالی سوراخوں کی طرف بڑھے، لیکن ابھی رائفلوں کی نالیں سوراخوں میں رکھی بھی نہیں تھیں کہ نیچے سے آواز آئی:

"اللہ اکبر۔"

وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ ہم نے کیا سنا ہے؟" فاروق بولا۔

"نیچے سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ حملہ آور بت پرست نہیں۔ مسلمان ہیں۔ اور یہ لوگ ہمارے مسلمان بھائیوں پر ہم سے فائرنگ کروانا چاہتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر انھوں نے پلک جھپکنے میں اپنی رائفل کا رخ سردار کی طرف کیا اور گولی چلا دی۔ گولی رائفل کی نال پر پڑی اور وہ ٹیڑھی ہو گئی۔ اس وقت خان رحمان وغیرہ سماکا، ڈومی رو اور سینا کی طرف رائفلیں تان چکے تھے۔

"خبردار۔ رائفلیں گرا دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" خان رحمان گرجے۔

ان کے ہاتھ مشینی انداز میں اٹھ گئے۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر رائفلیں سمیٹ لیں۔

"اب اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ فائرنگ بند کر دیں، اور رائفلیں پھینک دیں۔"

"نن۔ نہیں۔ میں یہ حکم نہیں دوں گا۔"

"تب پھر ہم تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

خان رحمان۔ ان کا صفایا کر دو۔ تاکہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے یہاں سے نکل جائیں۔"

رائفلیں تنی ہی تھیں کہ سردار چلا اٹھا:

"ٹھہرو۔ میں اعلان کرتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

سردار نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز میں کہا:

"سب لوگ ہتھیار پھینک دیں، یہ میرا حکم ہے، اور ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھائے ہوئے گھروں سے نکل آئیں۔"

یک لخت سناٹا چھا گیا، پھر کسی نے چیخ کر کہا:

"سردار! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آخر ہم ہتھیار کیوں پھینکیں۔"

"اس لیے کہ ہمیں شکست ہو گئی ہے۔"

"شکست ہو گئی ہے۔ وہ کیسے؟"

"ہم اس وقت ان سراغ رسانوں کے قبضے میں ہیں جو میرے بیٹے کا سراغ لگانے کے سلسلے میں میرے گھر میں تھے۔"

"تت۔ تو کیا۔ یہ لوگ، دراصل ان کے جاسوس تھے۔" باہر سے کہا گیا۔

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ مزدور ان کے ساتھی ہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ ان لوگوں کی چال تھی، ورنہ ان سے تو ہم نے آج تک شکست نہیں کھائی تھی۔"

"بہرحال۔ اب میں نے جو حکم دیا ہے، اس پر عمل کرو، ورنہ مجھے زندہ نہیں دیکھ سکو گے۔"

"بہت اچھا سردار۔ ہم باہر آ رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

گفت گو اس قدر بلند آواز میں ہوئی تھی کہ حملہ آوروں نے بھی صاف سُن لی تھی اور وہ سب حیرت زدہ تھے، لیکن انھوں نے اس گفت گو میں دخل اندازی نہیں کی۔

"چلیے سردار صاحب۔ آپ کو بھی باہر چلنا ہو گا۔"

"ہوں۔ چلو۔ ڈومی رو۔ تم سے تو میں اچھی طرح سمجھوں گا۔" سردار جھلّا کر بولا۔

"کیا مطلب سردار؟" ڈومی رو نے گھبرا کر کہا۔

"یہ تم ہی تو ہو۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ یہاں موجود ہیں۔"

"شش۔ شاید حساب لگانے میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔" ڈومی رو بڑبڑایا۔

"اس قسم کی غلطیاں تم نے پہلے بھی بہت کی ہیں۔ اور میں نے تمھیں کچھ نہیں کہا، لیکن اس مرتبہ تم نہیں بچ سکو گے۔"

"سردار! میں نے غلطی جان بوجھ کر تو نہیں کی۔"

"غلطی غلطی ہے۔ چاہے جیسے بھی کی گئی ہو۔"

"یہ باتیں آپ لوگ پھر کر لیجیے گا۔ پہلے باہر چلیے۔" فاروق نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اور وہ ہاتھ اوپر اُٹھائے باہر نکل آئے۔ بستی کے لوگ پہلے ہی نکل چکے تھے۔ وہ سب ہاتھ اُٹھائے کھڑے تھے اور حملہ آوروں نے انھیں گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان کی رائفلوں کے رُخ ان کی طرف تھے:

"حملہ آوروں کا سردار کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"میں ہوں، آپ کون ہیں؟"

"ایک مسلمان، لیکن یہ وقت تفصیل میں جانے کا نہیں۔ پہلے تو ان لوگوں کو باندھ لینا چاہیے۔"

"نہ صرف باندھ لینا چاہیے۔ بلکہ ہم ان لوگوں کو اپنی بستی میں لے جائیں گے۔ بابا جو فیصلہ ان کے حق میں کریں گے، اس پر عمل کیا جائے گا۔"

"یہ بابا کون ہیں؟" محمود بولا۔

"میرے والد۔ بستی کے بڑے سردار۔ میں چھوٹا سردار ہوں۔"

"چلیے یوں ہی سہی۔ ہم وہیں چل کر بات کریں گے۔"

سردار اور اس کے تمام ساتھیوں کے ہاتھ ان کی کمروں
پر باندھ دیئے گئے۔ اس کے بعد نوجوان سردار بولا:
"ان لوگوں کو بھی باندھ لو۔" اس کا اشارہ ان کی طرف تھا۔
"کیا مطلب؟" خان رحمان چونکے۔
"ہم نہیں جانتے۔ آپ لوگ کون ہیں۔ جب تک ساری
بات معلوم نہ ہو جائے، اس وقت تک آپ لوگوں کو بھی
ان کے ساتھ لے جایا جائے گا۔"
"ہم وہ ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کو یہ فتح نصیب ہوئی
ہے۔"
"ابھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔"
"کیا آپ نے چھتوں پر ہونے والی گفتگو نہیں سنی تھی؟"
"ہاں! سن چکے ہیں، لیکن یہ کوئی چال بھی ہو سکتی ہے،
فیصلہ بابا ہی کریں گے۔"
"اچھی بات ہے۔ یوں ہی سہی۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے
اچکائے۔
فاروق نے ہاتھ بندھواتے ہوئے بہت بُرے بُرے منہ
بنائے۔ اس نے یہاں تک بھی کہا:
"آپ لوگ ہمیں باندھ تو رہے ہیں، لیکن بہت شرمندگی
اٹھانا پڑے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اٹھا لیں گے۔" نوجوان سردار مسکرایا۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شرمندگی اٹھانے کے آپ لوگ
بہت ماہر ہیں۔"
"ہاں! یہی سمجھ لیں۔"
آخر ان سب کو باندھ لیا گیا اور پھر ساری بستی کے گھروں
کی تلاشی لی گئی۔ چند لوگ گھروں میں چھپے رہ گئے تھے۔
انہیں بھی نکال کر باندھا گیا۔ گھروں کا قیمتی سامان بھی ساتھ
لے لیا گیا۔
"کیا آپ لوگ پہلے بھی اس بستی پر حملہ آور ہوتے رہے
ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے نوجوان سردار سے پوچھا۔
"جی ہاں! ہم نے بہت مرتبہ حملہ کیا، لیکن ہر بار یہ ہوشیار
ملے۔ اور پھر پتھروں کے یہ مکانات قلعوں سے کم مضبوط نہیں،
یہ ان میں مورچہ بند ہو کر لڑتے رہے ہیں، جب کہ ہم
باہر غیر محفوظ ہوتے تھے۔ اس لیے ہر بار ہم ہی نقصان اٹھا
کر پیچھے ہٹتے رہے۔ آج تو پتا نہیں کیا ہو گیا۔"
"آج ان کے ساتھ ہم اندر تھے نا۔ ہم تو ان لوگوں کے
ساتھ مل کر آپ لوگوں پر گولیاں چلانے والے تھے۔ وہ تو
اللہ نے رحم فرمایا۔ اور آپ لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کر ڈالا۔
اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ آپ لوگ مسلمان ہیں۔ ہم بھلا

آتش پرستوں کے ساتھ مل کر اپنے مسلمان بھائیوں پر کیوں
گولیاں برساتے، لہٰذا ہم نے اُلٹا ان پر ہی رائفلیں تان دیں۔
"واہ! اسے کہتے ہیں نعرۂ تکبیر کی برکت۔" نوجوان سردار
نے خوش ہو کر کہا۔
"لیکن آپ ہمیں باندھ کر لے جا رہے ہیں۔" محمود نے جلے
بھنے انداز میں کہا۔
"اوہ ہاں! یہ ایک مجبوری ہے۔ دراصل یہ ساری باتیں
جھوٹ ہو سکتی ہیں۔ چال ہو سکتی ہیں۔ اس لیے۔"
"خیر کوئی بات نہیں۔" انھوں نے منہ بنائے۔
آدھ گھنٹے تک پہاڑیوں میں چلنے کے بعد وہ گھاس پھوس
کی جھونپڑیوں والی ایک بستی تک پہنچ گئے۔ سفید بالوں والا ایک
بہت بوڑھا آدمی ایک چٹان پر کھڑا انھوں نے دور سے ہی
دیکھ لیا۔ چٹان کے نیچے بہت سے بچے اور بوڑھے جمع تھے۔
ان میں نوجوان کوئی نہیں تھا، سفید بالوں والا بوڑھا بہت
لمبا چوڑا آدمی تھا۔
"معلوم ہوتا ہے، بابا کو فتح کی خوش خبری مل چکی ہے۔
اس لیے سب لوگ گھروں سے نکل آئے ہیں۔" نوجوان بڑبڑایا۔
اسی وقت بوڑھے نے بلند آواز میں کہا:
"اسلام شاہ۔ میں تمھیں دلی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"لیکن بابا۔ شاید ہم مبارک باد کے مستحق نہیں ہیں۔"
"کیوں بھئی۔ یہ کیا بات ہوئی۔ کیا تم فتح یاب نہیں لوٹے ہو۔"
"بے شک۔ لوٹے ہیں۔"
اتنے میں وہ نزدیک پہنچ گئے۔ اور ایک دوسرے کے
گلے لگ گئے۔ بستی کے بچے اور بوڑھے اپنے نوجوانوں سے چمٹ
گئے۔ شاید سب نوجوان حملہ کرنے گئے تھے۔ اس لیے وہاں
بچوں اور بوڑھوں کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، عورتیں گھروں
سے نہیں نکلی تھیں۔ گویا ان میں پردہ بھی تھا۔
پھر سب لوگ بیٹھ گئے۔ اسلام شاہ نے ساری تفصیل سُنائی،
ساری کہانی سن کر بابا کی نظریں انسپکٹر جمشید وغیرہ پر جم گئیں۔
اچانک وہ اُٹھ کر ان کے نزدیک آ گئے اور کپکپاتی آواز میں بولے:
"تت۔ تم۔ تم انسپکٹر جمشید تو نہیں ہو۔"

مردانہ جوتا

اُن کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے۔ آنکھیں پھیل گئیں ۔ چند سیکنڈ تک سکتے کا عالم طاری رہا ، آخر انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ ہو کر کہا :

" اس میں تو کوئی شک نہیں کہ میں انسپکٹر جمشید ہوں ۔ لیکن یہ بات آپ کو کس طرح معلوم ہوئی ؟"

" مم ۔ مجھے ۔ میں ۔ سردار ارشد حیات ہوں ۔ مم ۔ مجھے پہچانو ۔ تم بہت چھوٹے تھے ۔ جب میں تمھارے والد سے ملنے اکثر آیا کرتا تھا ۔ وہ میرے گہرے دوست تھے ۔ ہماری ملاقاتیں اکثر ہوتی تھیں ۔ اور پھر میں ملکی حالات سے بھی باخبر رہتا ہوں "

" مم ۔ مجھے ۔ مجھے یاد آ رہا ہے ۔ بالکل یاد آ رہا ہے "

" بہت خوشی ہوئی یہ جان کر ۔ آؤ میرے گلے سے لگ جاؤ "

" گلے سے کس طرح لگ جائیں ۔ انکل بابا ۔ آپ کے

بیٹے نے ہمارے ہاتھ جو بندھوا رکھے ہیں "

" ہوں ۔ اسلام شاہ ۔ یہ کیا بدتمیزی ہے ۔ جن لوگوں کی مہربانی سے تم نے فتح حاصل کی ۔ بلکہ فتح حاصل ہی انھوں نے کی ۔ تم انھیں بھی باندھ کر یہاں لائے "

" مم ۔ میں نے خیال کیا ۔ کہیں یہ کوئی سازش نہ ہو "

" اوہ ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے ۔ خیر ۔ اب ان لوگوں کو فوراً کھول دو ۔ یہ دوست ہیں ۔ بہت اچھے دوست "

تھوڑی دیر بعد وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے ، شکست خوردہ لوگوں کو ایک طرف ہٹا دیا گیا تھا :

" لیکن انکل بابا ۔ آپ یہاں کہاں ؟"

" میں ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر اسلام کی تبلیغ کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا ۔ بہت دُنیا گھومی ۔ اسلام کا پیغام دُوسرے مذاہب کے اَن گنت لوگوں تک پہنچایا ۔ چند سال پہلے یہاں پہنچا ۔ یہ علاقہ ہمارے مُلک سے باہر ہے ، لیکن کسی دُوسرے مُلک میں بھی شامل نہیں ۔ گویا یہ ایک آزاد ریاست ہے ۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ۔ تو پتا چلا ۔ یہ آگ کے پُجاری ہیں ۔ بہت دُکھ ہوا ۔ ان کو تبلیغ کرنے کی ٹھان لی ۔ بس یہیں ڈیرے ڈال دیے ۔ پہلے ہم نے انھیں تبلیغ کی ۔ انھیں سمجھایا ۔ ایک اللہ اور ایک رسول کے احکامات

سنائے، لیکن ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر میں نے یہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ ایک ایک کر کے میں ان کے آدمی مسلمان کرنے لگا۔ جو مسلمان ہو جاتا۔ اپنی بستی چھوڑ کر میرے پاس آ جاتا۔ اس طرح ہماری تعداد بڑھنے لگی۔ ان لوگوں کی پریشانی بڑھنے لگی۔ انھوں نے ہم پر حملے شروع کر دیے۔ لیکن ہم نے انھیں ہر بار مار بھگایا۔ پھر ہم نے سوچا۔ ہم کب تک ان کے حملوں کا خطرہ برداشت کرتے رہیں گے۔ لہٰذا خود بھی حملے شروع کر دیے۔ اور آج اس کا نتیجہ نکل آیا۔" یہاں تک کہہ کر بابا خاموش ہو گیا۔

"آپ ایک شخص کا ذکر گول کر گئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ایک شخص کا۔ کیا مطلب؟" بابا چونک اٹھا۔

"بستی کے سردار کے بیٹے لوکا کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ لوکا۔ ہاں۔ مجھے اس کی موت کا بہت دکھ ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ اسے کس نے قتل کیا تھا۔" خان رحمان چونکے۔

"نہیں! میں نہیں جانتا۔ اس کا قاتل کون ہے۔ بہرحال میں نے اس نوجوان کو بھی اسلام کی طرف کافی حد تک جھکا لیا تھا۔ امید ہو چلی تھی کہ وہ بہت جلد مسلمان ہو جائے گا۔ لیکن افسوس کسی نے اسے قتل کر دیا۔"

"اور دراصل ہم اس کے قاتل کی ہی تلاش میں ہیں۔"

"اوہ۔ ذرا تفصیل بتاؤ۔ شاید میں کوئی خیال ظاہر کر سکوں۔"

"جی بہتر!" انھوں نے کہا اور تفصیل سنانے لگے۔

"اس کا مطلب ہے۔ یہ بات تو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی کہ قاتل کون ہے۔" بابا نے کہا۔

"ہاں!" وہ بولے۔

"تب پھر۔ تمھارا پروگرام کیا ہے؟"

"اگرچہ اب یہ سبھی گرفتار ہو چکے ہیں، لیکن پھر بھی یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ قاتل کون ہے۔"

"اب تو شاید یہ خود ہی بتا دیں۔ ویسے تمھارا ڈومی رو کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"ہو سکتا ہے، وہ علم نجوم جانتا ہو۔ یا اس قسم کا کوئی اور علم۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ قاتل کا نام وہ بھی معلوم نہیں کر سکا۔ حساب کتاب میں اس سے پہلے بھی غلطیاں ہو چکی ہیں۔"

"اور مسلمان تو یوں بھی ستاروں وتاروں کے علم کے چکر میں نہیں پڑتا۔ وہ بس اپنے اللہ پر بھروسا رکھتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" بابا جلدی سے بولا۔

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دیں۔ ذرا میں ان لوگوں سے پوچھ گچھ کر لوں۔ اور ہاں۔ بینا کے کمرے میں مجھے ایک چمڑے کا سوٹ کیس نظر آیا تھا۔ میں اس سوٹ کیس کی تلاشی بھی لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو شاید سامان کے ساتھ یہاں آچکا ہوگا۔" اسلام شاہ بولا۔

"تو پھر پہلے ہم اس کو دیکھیں گے۔ آؤ بھئی۔"

وہ مالِ غنیمت کے پاس پہنچے۔ سارا سامان بے ترتیب پڑا تھا۔ آخر اس میں سے انھوں نے وہ سوٹ کیس نکال ہی لیا۔ اسے کھولا گیا۔ سوٹ کیس ریشمی کپڑوں سے پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ان کپڑوں کو ہٹایا۔ اور سب کے سب چونک اٹھے۔

اس میں ایک عدد مردانہ جوتا رکھا تھا۔ بالکل ویسا ہی، جیسا جوتا لاش کے پاس ملا تھا۔

★

"پھر جوتا۔ معلوم ہوتا ہے، اس کیس میں جوتوں کے

علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو پھر تیار رہو۔" محمود مسکرایا۔

"کس کام کے لیے۔ جوتے برآمد کرنے کے لیے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے نہیں۔ کھانے کے لیے۔"

"برآمد میں کیسے جاؤں گا۔ کھاتے تم رہنا۔" فاروق فوراً بولا۔

"آؤ بھئی۔ اب ہمیں بینا سے دو دو باتیں کرنا ہی ہوں گی۔" انھوں نے کہا۔

وہ قیدیوں کے پاس آئے۔ اسلام شاہ ساتھ تھا۔

"مہربانی فرما کر اس لڑکی کو ان سے الگ لے آئیں۔ ہم کسی جھونپڑے میں بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی لیجیے۔"

اسلام شاہ بینا کو لے کر ایک جھونپڑے میں آگیا۔ جھونپڑا نفاست سے سجا تھا۔ وہ اس کے فرش پر بیٹھ گئے۔

"بینا صاحبہ۔ آپ اس جوتے کو پہچانتی ہیں؟"

بینا نے جوتے کو دیکھا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ پھر بولی:

"ہاں! یہ وہی جوتا ہے۔ جو میرے بھائی کی لاش کے

پاس رہا تھا۔"

"نہیں — یہ وہ جوتا نہیں ہے — وہ دائیں پاؤں کا تھا — یہ بائیں پاؤں کا ہے۔"

"اوہ!" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"اب آپ کیا کہتی ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مم — میں — میں کیا کہوں؟"

"ہمیں یہ آپ کے سوٹ کیس میں سے ملا ہے۔"

"کیا!!!" بینا زور سے اچھلی اور پھر اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں — وہ چلائی:

"نن — نہیں — یہ غلط ہے — میں نے یہ اپنے سوٹ کیس میں نہیں رکھا تھا۔"

"تب پھر — یہ آپ کے سوٹ کیس میں کہاں سے آ گیا؟"

"میں کیا جانوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"مس بینا — اب چھپانے سے کیا فائدہ۔" محمود نے کہا۔

"میں کچھ نہیں چھپا رہی — میں سچ کہتی ہوں — یہ جوتا میں نے اپنے سوٹ کیس میں نہیں رکھا — آپ ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ اتنا عرصہ گزر گیا — آخر پانچ سال سے میں اس جوتے کو کیوں سوٹ کیس میں رکھے رہتی — اسے اِدھر اُدھر پھینک دینا

زیادہ آسان تھا۔"

"ہاں! یہ تو ہے — آپ کی بات میں وزن ہے۔"

"کمال ہے — میرا تو خیال تھا کہ بس میری بات میں —"

فاروق نے کہنا شروع کیا تھا کہ انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"ٹھہرو بھئی — غیر ضروری باتیں پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔"

"جی بہت اچھا۔" اس نے منہ بنایا۔

"اگر یہ جوتا آپ نے نہیں رکھا تو پھر ضرور کسی اور نے رکھا ہے، لیکن کیوں — کیا وہ آپ کو قاتل کے طور پر گرفتار دیکھنا چاہتا تھا — اگر اس کی خواہش یہی تھی تو یہ کام تو اسے بہت پہلے کر گزرنا چاہیے تھا — نہ کہ پانچ سال بعد — اس کام کے لیے پانچ سال انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی —"

"میں کیا کر سکتی ہوں۔" بینا نے بے چارگی کے عالم میں کہا —

"دوسری طرف اس نوٹ بک میں سے ورق پھاڑا گیا ہے۔"

"یہ سب باتیں میرے لیے انتہائی عجیب و غریب ہیں۔" وہ بولی۔

"کیا ڈوکا نے کبھی آپ سے یہ ذکر کیا تھا کہ وہ مسلمان ہونے والا ہے؟"

"نن — نہیں — ایسی بات کبھی اس کی زبان پر نہیں آئی —

وہ تو ہم سب کے ساتھ مسلمانوں سے لڑا کرتا تھا۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہاں کے سردار کا بیان ہے کہ ٹوکا مسلمان ہونے والا تھا۔"

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"یہ جوتے۔ کبھی آپ کے والد پہنتے رہے ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا۔"

"مشکل یہ ہے کہ پوری بستی کے آدمیوں میں سے یہ کسی کے پاؤں میں بھی فٹ نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو بس سردار کے پاؤں میں۔ اس سے آخر میں کیا سمجھوں۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس بارے میں آپ بابا جان سے ہی پوچھ لیں۔"

"ہوں۔ مشورہ ٹھیک ہے۔ اسلام شاہ صاحب۔ آپ ان کو ان کے ساتھیوں میں چھوڑ آئیں اور وہاں سے ذرا سردار کو لے آئیں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور بینا کو لے کر چلا گیا۔

چند منٹ بعد سردار ان کے سامنے بیٹھا تھا:

"اللہ کی عجیب شان ہے۔ تھوڑی دیر پہلے جو سردار تھا۔ اب کچھ بھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"سوچیے۔ خوب غور کیجیے۔ باقی کام بابا کر دیں گے۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"پہلے تو آپ یہ بتائیں۔ یہ جوتا آپ کا ہے؟"

"اوہو۔ یہ تو بالکل ویسا ہی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں! یہ بائیں پاؤں کا ہے۔ تو یہ آپ کا نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"حیرت ہے۔ آخر بستی کے کسی آدمی کے پاؤں میں یہ جوتا پورا کیوں نہیں آتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر کسی کے پاؤں میں یہ فٹ آ گیا ہوتا تو ہم اس کو پھانسی پر چڑھا دیتے۔"

"ارے! کہیں یہ جوتا خود ٹوکا کا تو نہیں ہے۔ ٹوکا کی لاش۔" فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"رُک کیوں گئیں۔" محمود نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ یہ مسٹر ٹوکا کا بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ان کا ہوتا تو سردار، بینا اور ٹوکا کی والدہ اس بات کو ہرگز نہ چھپاتے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہم اس کیس کو حل نہیں کر سکیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔ ہاں تو سردار صاحب، آپ سے ایک اور ضروری سوال۔ کیا ٹوکا اسلام لانے کے قریب تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔ نہ اس نے کبھی ذکر کیا۔"

"مس بینا کا کہنا بھی یہی ہے، لیکن مسٹر ٹوکا کی نوٹ بک کا ایک ورق پھٹا ہوا ہے۔ آخر کیوں۔ کسی کو ورق پھاڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کاش ٹوکا زندہ ہوتا۔ میں اس سے پوچھ کر یہ بات آپ کو ضرور بتا سکتا تھا۔" سردار نے سرد آہ بھری۔

"گویا آپ بھی کوئی مدد کرنے پر آمادہ نہیں۔"

"آپ کی ہر بات کا جواب تو دے رہا ہوں۔" اس نے جل کر کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ ایک بات یقینی ہے۔ مسٹر ٹوکا کا قاتل آپ لوگوں میں سے کوئی ہے۔"

"لیکن وہ کیوں بتانے لگا۔" خان رحمان بولے۔

"اب نہ بتا کر بھی اسے کیا فائدہ ہو گا۔ تم لوگ قیدی تو پہلے ہی بنا لیے گئے ہو۔"

"تو کیا ہوا۔ اسلام کے مطابق ہمیں فدیہ لے کر چھوڑنا پڑے گا۔ یا ہم جزیہ دینا قبول کریں گے۔ یہ لوگ ہمیں قید

میں نہیں رکھ سکیں گے۔"

"تو پھر تم لوگ بھی تو حملے نہیں کر سکو گے۔" خان رحمان بولے۔

"اور اس طرح تبلیغ کا عمل جاری رہے گا اور ایک دن تمہاری ساری آبادی مسلمان ہو جائے گی۔"

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" سماکا نے چیخ کر کہا۔

اس کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا، کیوں کہ وہ تو جھونپڑے میں بیٹھے تھے اور قیدی اس جگہ سے بہت دور تھے، خیمے میں صرف سردار کو لایا گیا تھا۔

آنسو

"مسٹر اسلام شاہ — کیا سماکا کو کھول دیا گیا ہے — اور کیا قید
کے پاس مسلح آدمی بطور نگران موجود نہیں ہیں؟"

"بالکل ہیں — اور کسی کو بھی نہیں کھولا گیا۔" اسلام شاہ
نے کہا —

"تب پھر جھونپڑے کے باہر سے سماکا کی آواز کیسے سنائی
دے گئی۔"

"ضرور ہم لوگوں کے کان بجے ہیں — میں دیکھتا ہوں۔"

اسلام شاہ یہ کہہ کر جھونپڑے سے باہر نکلا ہی تھا کہ
اُلٹ کر اندر آ گرا — سب بوکھلا اُٹھے، ساتھ ہی انسپکٹر
جمشید نے دروازے کی طرف جھپٹنے کے لیے پر تولے، لیکن اسی
وقت ایک گرج دار آواز گونجی:

"خبردار — اب حرکت کرنا بے سود ہو گا — میرے ہاتھ میں
رائفل ہے اور تم لوگوں کے سب ساتھی قید کر لیے گئے ہیں۔"

انھوں نے گھبرا کر اپنے سامنے دیکھا — سماکا جھونپڑے
میں کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک خُونی چمک تھی —

"یہ — یہ کیسے ہوا؟" اسلام شاہ نے تھر تھر کانپتی آواز
میں کہا —

"مسٹر ڈومی رو کی مہربانی سے — اس کا علم واقعی لاجواب
ہے۔" سماکا نے چہک کر کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن کیسے — آخر ڈومی رو نے کیا کیا؟" سردار بے چین
ہو کر بولا؛ تاہم اس کے چہرے پر بھی چمک تھی —

"اب تک تو میں بھی یہی خیال کرتا رہا ہوں کہ ڈومی رو
کو آتا جاتا کچھ نہیں — جھوٹ موٹ کا عالم بنا ہوا ہے —
لیکن آج معلوم ہوا — اس کے پاس تو واقعی علم ہے۔" سماکا
نے جلدی جلدی کہا۔

"اس نے اپنے علم سے کس طرح کام لیا؟"

"وہ منہ ہی منہ میں منتر پڑھتا رہا اور ہم میں سے ہر
ایک کی رسیاں باری باری کھلتی چلی گئیں — ساتھ ہی اس
نے ہمیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا — جب سب کی رسیاں
کھل گئیں تو ہم نے ایک ساتھ وہاں موجود چار نگرانوں
کو دبوچ لیا اور سیدھے ادھر چلے آئے — ویسے اب ان کا

سردار اور دوسرے ساتھی بھی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔"

"بھئی واہ! یہ تو کمال ہو گیا۔ آؤ ذرا باہر چل کر ان لوگوں کی حالت دیکھیں۔" سردار نے خوش ہو کر کہا۔

اب انھیں پھر ہاتھ اوپر اٹھانا پڑے۔ ان کی رائفلیں اور پستول لے لیے گئے۔ سب کے ساتھ وہ بھی جھونپڑے سے باہر نکل آئے۔

انھوں نے دیکھا۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں آتش پرست بندھے ہوئے تھے، اب وہیں مسلمان موجود تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں بے چارگی کے آثار تھے۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جادو کے ذریعے ایسے کام بھی لیے جا سکتے ہیں۔" بابا نے انھیں دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں بابا۔" اسلام شاہ نے غمگین آواز میں کہا۔

"اب تم کیا کہتے ہو مسٹر؟" سردار نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"میں کیا کہوں گا۔ اس وقت تم جیت میں ہو۔"

"تو پھر سنو۔ ہم تم سب کو موت کے گھاٹ اتار کر رہیں گے، لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ میرے

بیٹے کے قاتل کا سراغ مل جائے۔ ویسے اب میں یہ کہہ دینا پسند کروں گا کہ شروع سے ہمارا خیال یہ رہا ہے کہ قاتل ان مسلمانوں میں سے کوئی تھا۔"

"ان لوگوں کو تو لوکا کے قتل کا بہت رنج ہے، کیوں کہ ان کا کہنا ہے، لوکا اسلام لانے والا تھا۔"

"نہیں! یہ غلط ہے، اس پر الزام ہے۔ وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا تھا۔" سردار نے چیخ کر کہا۔

"خیر۔ مجھے مہلت دے دیں، میں قاتل کا سراغ لگا دیتا ہوں۔"

"جتنی تم دیر لگاؤ گے۔ اتنا ہی تمھارے ساتھیوں اور ان مسلمانوں کی تکلیف میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔" سردار نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ان سب لوگوں کو درختوں سے الٹا لٹکایا جانے والا ہے۔ تم اسی وقت سے اپنی کوشش شروع کر دو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان لوگوں کو بچانے کے لیے کسی بھی شخص کا نام لے دو۔ تمھیں ثبوت ساتھ پیش کرنا ہو گا۔"

"لیکن کیا فائدہ۔ بعد میں بھی تو ہمیں موت کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یک دم موت کے گھاٹ اُتر جانا اتنا مشکل نہیں جتنا سسک سسک کر جان دینا۔" سردار نے کہا۔

"میری بھی ایک شرط ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں جانتا ہوں۔ تم کیا شرط پیش کرو گے۔ خیر۔ میں تمھاری شرط منظور کرتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔ تمھارا اشارہ کس بات کی طرف ہے۔"

"تم یہی چاہتے ہو نا کہ تمھارے چاروں ساتھیوں کو اُلٹا نہ لٹکایا جائے۔"

"نہیں۔ بلکہ میں چاہتا ہوں۔ تم لوگ بابا کو اُلٹا نہ لٹکاؤ، وہ بہت ضعیف ہیں۔ اور ہو سکے تو عورتوں اور بچوں کو بھی اُلٹا نہ لٹکاؤ۔"

"نہیں۔ تمھاری یہ شرط میں نہیں مان سکتا۔ اصل مجرم تو یہ بوڑھا ہی ہے۔"

"تو پھر میرے ساتھیوں کو بھی باندھا جائے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اگر تمھاری مرضی یہی ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"ویسے میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ تم قاتل کو کیا سزا دو گے؟"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ تمھیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کیا۔ میں بینا کی والدہ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمھیں ہر طرح اجازت ہے۔ سب لوگ یہاں موجود ہیں، اور ابھی یہیں موجود رہیں گے۔ جس سے جو جی چاہے، سوال کرو۔ سوال کا جواب دیا جائے گا۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ تمھاری نگرانی پوری طرح ہوتی رہے گی۔ کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کرو گے تو گولیوں سے چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ مسکرائے اور بینا کی والدہ کی طرف بڑھ گئے۔ وہ انھیں عجیب سی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"آپ کے بیٹے کے مر جانے کی صورت میں، سردار کے بعد اب ڈومی رو سردار بنے گا۔ یہ بات ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ڈومی رو نے تُوکا کو قتل کر دیا ہو۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔"

"یا پھر سماکا نے کیا ہو، کیوں کہ وہ پکا آتش پرست ہے۔ اور تُوکا مسلمان ہونے والا تھا۔ ہو سکتا ہے، سماکا کو کسی طرح

پتا چل گیا ہو اس بات کا۔"

"بالکل ہو سکتی ہے یہ بات۔"

"لیکن مشکل یہ ہے کہ نوکا کی نوٹ بک کا ایک ورق پھٹا ہوا ہے۔ اگر وہ ورق مل جاتا تو شاید یہ راز بہت پہلے کھل چکا تھا۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں۔"

اسی وقت ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ انسپکٹر جمشید نے مڑ کر دیکھا۔ بابا الٹے نظر آئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے، پھر اپنا رخ اس عورت کی طرف کر لیا اور بولے:

"باورچی خانے میں آپ کے علاوہ تو کوئی کام نہیں کرتا؟"

"نہیں۔ اپنے گھر میں تو میں ہی کرتی ہوں۔"

"اور بیٹا۔"

"وہ تو باورچی خانے کے کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"تو پھر۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

انھوں نے تیزی سے اس عورت کا ہاتھ پکڑا اور ایک زور دار جھٹکا دیا اور یہ جھٹکا باقاعدہ سمت کا اندازہ کر کے دیا گیا تھا۔ عورت گویا ہوا میں اڑتی ہوئی سردار سے جا ٹکرائی۔ اس حیرت انگیز منظر نے سب پر ایک لمحے کے لیے سکتہ طاری کر دیا اور اس ایک لمحے سے فائدہ اٹھا کر انسپکٹر جمشید نے ایک نگران کی رائفل جھپٹ لی۔ وہ ان کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور رائفل کی نال سردار کی کن پٹی پر رکھ دی، پھر بلند آواز میں بولے:

"خبردار۔ اگر کسی نے بھی حرکت کی تو سردار کا دماغ باہر نکل آئے گا۔"

"وہ مارا۔" فاروق چلا اٹھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ سردار گیا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

ان کے ہاتھ ان کی ان میں اٹھ گئے۔ منہ حیرت زدہ انداز میں پہلے ہی کھلے ہوئے تھے۔

★

انھیں ایک بار پھر باندھ لیا گیا۔ سب کے چہرے چمک اٹھے۔ اسلام شاہ نے فوراً اپنے بابا کو رسی سے نجات دلائی۔

"اسی عورت نے اپنے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں! مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔ بلکہ کافی دیر پہلے ہی یہ بات مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ جس سوٹ کیس میں سے جوتا نکلا، اس کے دستے پر چکناہٹ زدہ انگلیوں کے بالکل واضح اور صاف نشانات موجود تھے۔ ان نشانات کو پہلے میں بینا کی انگلیوں کے خیال کر بیٹھا تھا، لیکن جب میں نے اور غور کیا تو نشانات موٹی انگلیوں کے نظر آئے۔ دستے پر سے سالن کے مصالحے کی تازہ بُو آ رہی تھی۔ سوٹ کیس پر ایک ننھا سا تالا بھی لگا ہوا تھا، لیکن اس کی چابی بینا کے علاوہ بھی کسی کے پاس ہو سکتی تھی۔ چنانچہ جونہی معلوم ہوا کہ بینا کی والدہ کے سوا گھر میں کوئی باورچی خانے کا کام نہیں کرتا تو مجھے فوراً ہی یہ نتیجہ نکالنا پڑا کہ یہ نشانات دراصل بینا کی والدہ کے ہیں۔"

"لیکن ابا جان۔ آخر اس عورت کو اپنے بیٹے کے خون سے ہاتھ رنگنے کی کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ بولی۔

"یہ عورت بہت زیادہ متعصب ذہن کی مالک ہے۔ ٹوکا اسلام کی طرف پوری طرح جھک گیا تھا۔ اور اس نے اس بات کا اقرار اپنی نوٹ بک کے اس صفحے پر کیا تھا۔ جس کو کہ پھاڑ لیا گیا۔ وہ صفحہ بھی اس عورت نے پھاڑا تھا۔ اور پھاڑ کر ضائع کر دیا۔ تاکہ اس پر

کوئی شک نہ کر سکے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر ان مردانہ جوتوں کا کیا ہو گا۔ جن میں سے ایک لاش کے پاس پڑا ملا تھا۔ دوسرا بینا کے سوٹ کیس میں سے۔ آخر ان جوتوں کا کیا چکر ہے؟"

"ہاں! جوتوں کا چکر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جوتے!" اسلام شاہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! جوتے۔ اس معاملے میں بڑی الجھن دراصل ان جوتوں نے پیدا کی۔ اور ابھی تک الجھن کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ خیر پہلے تو ہمیں اس عورت سے پوچھنا چاہیے۔"

"ہاں! میں نے ہی ٹوکا کو قتل کیا تھا۔ اور کیا کرتی۔ وہ مسلمان ہونے پر تُل گیا تھا۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتا تو پھر ہمارے ہاں مسلمان ہونے سے رہ کون جاتا۔ سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ اور یہ میں کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی کہ مقدس آگ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی پوجا کی جائے۔ آگ ہی ہماری معبود ہے۔ وہی مارتی ہے اور زندہ کرتی ہے۔"

"یہ مارنے والی بات تو چلو کسی طرح حلق سے اتاری جا سکتی ہے۔ زندہ کرنے والی بات کی ذرا وضاحت کر دو۔"

انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوتے ہیں، ان کو یہ آگ ہی تو پیدا کرتی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"خیر۔ میں وضاحت نہیں کر سکتی۔" عورت نے اسے گھورا۔

"شوق سے نہ کریں، ہمیں تمھاری وضاحت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! ابا جان کیا فرما رہے تھے؟" محمود بولا۔

"یہ عورت اقرار کر چکی ہے کہ لوکا کو اسی نے قتل کیا تھا۔ لہٰذا اب ہمیں الجھن میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"لیکن میرے ذہن میں تو رہ رہ کر جوتا آ رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"وہ جگہ ہے ہی جوتوں کے قابل۔" فاروق مسکرایا۔

"اے۔ خبردار۔" فرزانہ نے گویا اسے دھمکی دی۔

"خبردار۔ کس بات سے؟"

"حیرت کی بات تو یہی ہے۔ کہ کیس جوتوں کے بغیر ہی حل ہو گیا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی۔ ہیرے کی انگوٹھی، سونے کے ہار اور نقدی کو کیوں غائب نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے۔ ایک ماں کو کیا ضرورت تھی کہ یہ چیزیں لے جاتی۔ وہ تو پھر بھی اس تک پہنچ جاتیں۔ بس ان جوتوں کی الجھن رہ گئی۔ اور میرا خیال ہے۔ اس الجھن کو سردار صاحب دور کر سکتے ہیں۔"

"ہم۔ میں۔ بھلا میں کس طرح وضاحت کر سکتا ہوں۔" سردار نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

"اس طرح کہ جوتے آپ کے پاؤں میں فٹ آتے ہیں، لہٰذا آپ کے ہوئے۔ آپ ہی بتا سکیں گے کہ جوتے لاش کے پاس کس طرح پہنچے۔ اور لوکا کے اپنے جوتے کہاں گئے؟"

"اپنے جوتے۔ اوہ۔ ان کے بارے میں تو ہم بھول ہی گئے۔" محمود چونکا۔

"ہاں واقعی۔ لوکا گھر سے سیر کے لیے نکلا تھا۔ اس کی لاش ننگے پاؤں تھی۔ لاش کے پیروں میں لوکا کے جوتے نہیں ملے تھے۔ اور ان پتھروں پر ننگے پاؤں چلنا آسان کام نہیں۔"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ تو پھر اب یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس روز لوکا اپنے جوتے پہن کر سیر کے لیے نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس کے پیروں میں اپنے باپ کے جوتے تھے۔"

"اگر وہ جوتے میرے ہوتے تو لاش کے پاس پڑا۔

والا ایک جوتا فوراً پہچان لیا جاتا۔ لیکن نہ تو میں نے اس جوتے کو پہچانا اور نہ کسی دوسرے نے۔ کم از کم دوسرے ضرور سرگوشیاں کرتے کہ سردار نے خود ہی اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالا ہے، کیوں کہ اس کا جوتا لاش کے پاس پڑا ملا ہے۔ لیکن پوری بستی میں یہ بات کسی نے نہیں کہی۔" سردار نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن اس کے باوجود۔ وہاں ایک جوتا ملا تھا۔ اور وہ آپ کے پاؤں میں فٹ آیا۔"

"یہ ٹھیک ہے، لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا۔ کہ جوتا میرا نہیں تھا۔ اب جب کہ بیگم نے قاتل ہونے کا اقرار کر لیا ہے تو جوتوں کے بارے میں وہی وضاحت کر سکتی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"اس وقت آپ سردار نہیں ہیں، اگر سردار ہوتے ہوئے آپ کو پتا چلتا کہ قاتل آپ کی بیگم ہیں تو پھر؟"

"پھر بستی کے قانون کے مطابق قاتل کو سزا دی جاتی اور وہ سزا اس کا قتل ہوتی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اب آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟" انسپکٹر جمشید بابا کی طرف مڑے۔

"پہلے تو ہم ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کریں گے، اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو یہ ہمارے بھائی ہیں۔ نہ مانے تو اسلام کے قانون کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔"

"لیکن ٹوکا کا قتل تو ایک مسلمان کا قتل ہے۔ وہ اسلام لانے والا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ خیر۔ اگر اس کی ماں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ معافی کے قابل ہو گی۔ ورنہ اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔"

"نہیں!" ٹوکا کی ماں زور سے چلائی اور تھر تھر کانپنے لگی۔

"ارے! وہ جوتوں والی بات تو رہ ہی گئی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"ہے کوئی۔ جو جوتوں کا مسئلہ حل کرے۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"میں حل کر سکتا ہوں۔"

ایک آواز ابھری۔ لیکن یہ آواز ان میں سے کسی کی نہیں تھی۔ ان کی نظریں آواز کی سمت میں اٹھ گئیں۔ انھوں نے دیکھا، یہ جملہ کہنے والا اسلام شاہ تھا۔

"مسٹر اسلام شاہ۔ یہ جملہ آپ نے ادا کیا ہے؟" فاروق بولا۔

"ہاں ! بالکل۔" اس نے شوخ انداز میں کہا۔
"آپ۔ جوتوں کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟" محمود بولا۔
"ہاں بالکل!"
"حیرت ہے۔ لیکن خیر۔ مہربانی فرما کر جلد بتائیں۔ آپ
کیا کہنا چاہتے ہیں؟"
"وہ جوتے دراصل میرے تھے۔"
"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔
"جی۔ وہ جوتے واقعی میرے تھے۔ اس رات جس کی صبح
لوکا کو قتل کیا گیا، وہ یہاں ہمارے پاس آئے تھے۔
میری اور ان کی اسلام کے بارے میں کافی دیر بات ہوئی تھی
اور وہ واقعی اسلام کی تعلیم سے بہت متاثر ہو گئے تھے۔
انھوں نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ ٹھیک ہے۔ آج رات وہ فیصلہ
کر لیں گے۔ جب رخصت ہونے لگے تو ان کے جوتے کا
تلا اکھڑ گیا۔ اکھڑے ہوئے تلے کو دیکھ کر وہ کہنے لگے۔
اب یہ جوتا راستے میں تنگ کرے گا۔ اس پر میں نے
اپنے جوتے ان کو دے دیے۔ تاکہ وہ پہن کر جا سکیں۔
اور اس طرح ان کے جوتے یہاں رہ گئے۔ میرے ان کے
ساتھ چلے گئے۔ میرے جوتے ان کے پاؤں میں یوں بھی فٹ
آئے تھے۔ دوسری صبح وہ وہی جوتے پہن کر سیر کے لیے

نکل گئے ہوں گے۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"لیکن۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاش کے پاس
تو صرف ایک جوتا پڑا پایا گیا تھا۔ دوسرا جوتا آج بینا کے
سوٹ کیس سے برآمد ہوا، پانچ سال وہ جوتا کہاں رہا؟" فرزانہ
نے کہا۔
"اس کا جواب لوکا کی ماں دے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"پتھر سے لوکا کا سر کچلنے کے بعد میں بہت گھبرائی۔
کہ کہیں میں بطور قاتل نہ پکڑ لی جاؤں۔ ایسے میں میری نظریں
اس کے جوتوں پر پڑیں۔ جوتے اس کے نہیں تھے۔ کسی
غیر کے تھے۔ بس فوراً ہی یہ بات سوجھی۔ جوتے اس کے
پاؤں سے نکال کر لاش کے پاس ڈال دیے۔ تاکہ ان
کی طرف خاص طور پر توجہ دی جا سکے، پھر اس سے بڑھ
کر یہ کیا کہ ایک جوتا وہاں سے اٹھا لیا اور دور لے جا
کر پتھروں میں چھپا دیا۔ اور واقعی۔ ان جوتوں نے خوب
الجھن پیدا کی اور میری طرف کسی کا دھیان تک نہ گیا۔ یہ
تو ان صاحب کا دھیان میری طرف گیا۔" اس نے آخری جملہ
انسپکٹر جمشید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"وہ بھی آپ کی غلطی سے۔ آپ کو کیا ضرورت تھی۔ دوسرا
جوتا پتھروں میں سے نکال کر لانے اور بینا کے سوٹ کیس

میں رکھ دینے کی۔"

"اس لیے کہ آپ لوگ سینا کو قاتل ثابت کر دیں۔"

"تت۔ تم کیسی ماں ہو۔ ایک بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور بیٹی کو اس کے قتل کے جرم میں پھنسوا دینا چاہتی تھیں۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں! میں بس ایسی ہی ماں ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو تم بہت خوف زدہ نظر آ رہی تھیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! خوف زدہ میں اب بھی ہوں، لیکن ساتھ ہی میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"یہ کہ مسلمان ہو جاتی ہوں۔ اس طرح قتل ہونے سے بچ جاؤں گی۔"

"اوہ!" سردار اور اس کے ساتھیوں کے منہ سے نکلا۔

"ان کا ایک جملہ سمجھ میں نہیں آیا۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"کون سا جملہ۔ ویسے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جملے تمہاری سمجھ میں عام طور پر آیا ہی نہیں کرتے۔"

"یہ کہ میں ایسی ہی ماں ہوں۔ ہم نے تو ایسی ماں کہیں دیکھی

دیکھی۔" فرزانہ نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"میں بتاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ میرے بچوں کی سوتیلی ماں ہے۔"

"کیا!!!"

سب ایک ساتھ بولے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"معاف کیجیے گا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ عورت اپنی جان بچانے کے لیے اسلام لانے والی ہے۔ کیا ایسا اسلام اسلام ہو گا۔" خان رحمان نے کہا۔

"یہ باقاعدہ کلمہ پڑھ کر اسلام لائیں گی۔ یہ سوچنا ہمارا کام نہیں کہ یہ دل سے اسلام لاتی ہیں یا ظاہر میں۔ تاریخِ اسلام میں اس قسم کے واقعے کی مثال موجود ہے۔ ایک جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو گرا لیا۔ جب وہ اسے قتل کرنے لگے تو کافر نے فوراً پڑھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لیکن اس کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ جب اس واقعے کا علم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا، اس پر حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تمھیں کیا معلوم کہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا یا واقعی اسلام لے آیا تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اس کا قتل درست نہیں تھا۔ لہٰذا اس جگہ بھی ہم یہی کہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے تفصیل سے بات دُہرا دی۔

"ہوں۔ بالکل ٹھیک فیصلہ ہے۔" بابا بولے۔

"چلیے ابّا جان۔ اب حسبِ معمول یہاں سے کوچ کریں، ہمیں تو ابھی بہت آگے جانا ہے۔" فاروق نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"اوہ ہاں۔ میرا دوست بہت بے چین ہو گا۔"

"ایک بات رہ گئی۔ یہ ڈومی رو کیا بلا ہے؟"

"ڈومی رو۔ بس ایک جادوگر قسم کا آدمی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ ویسے اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ایمان لے آئے تو ٹھیک ہے۔ اس صورت میں اسے جادو سے توبہ کرنا ہوگی، ورنہ اسے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ مسلمانوں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔ بابا اور اسلام شاہ کی آنکھوں میں آنسو بھی جھلملا رہے تھے۔

○